حدیث

محمد اظہر مدنی

سچے دل سے توبہ

وعن انس رضی اللہ تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون. اخرجه الترمذی وابن ماجة وسنده قوی (بلوغ المرام من ادلة الأحكام)

ترجمہ: آدم کی ہر اولاد خطا کار ہے اور سب سے بہترین خطا کار وہ ہیں جو گناہ کے بعد (سچے دل سے) توبہ کر لیتے ہیں۔اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

قرآن کی متعدد آیات میں توبہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْن اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (آل عمران:۱۳۵۔۱۳۶) ''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے،انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔''

قرآن کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران:۱۷) ''جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرماں برداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مزید فرمایا:وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (سورہ ہود:۳) ''اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ ہو وہ تم کو وقت مقررہ تک اچھا سامان (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔''

حدیث کی دوسری روایتوں میں بھی توبہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب سے سورج نکلنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرے گا۔(صحیح مسلم ونسائی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے (سچے دل سے) توبہ کرنے والا شخص اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا''۔(اس حدیث کو ابن ماجہ،طبرانی اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔)

غلطی کرنا انسان کی فطرت ہے لیکن غلطی اور گناہ کرنے کے بعد اللہ سے توبہ کرنا ایک حساس اور فرمانبردار مومن کی پہچان ہے۔آج کا انسان مختلف طرح کے مسائل ومشکلات میں گھرا ہوا ہے۔کوئی کاروبار کے مسئلہ میں الجھن کا شکار ہے کوئی اپنے گھریلو معاملات کو لے کر پریشان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری زندگی میں جو مسائل اور پریشانیاں ہیں وہ سب ہمارے گناہوں کے سبب ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر گنہگار کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں،اگر کسی کا حق سلب کر لیا ہے تو اس سے توبہ کر لیں کیوں کہ توبہ کرنے سے اللہ کی مدد آتی ہے اور اگر کوئی نیک دل سے توبہ کر لے تو بخشش کا حق دار ہو جاتا ہے۔اول الذکر حدیث میں بھی اس خطا کار کو بہترین خطا کار کہا گیا ہے جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور قرآن میں بخشش کا وعدہ کیا گیا ہے شرط یہ ہے کہ توبہ سچے دل سے کیا جائے اور پھر اس غلطی اور گناہ کا اعادہ نہ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔وصلی الله علی النبی

☆☆☆

اصغر علی امام مہدی سلفی

اداریہ

عزت وذلت کا انسانی معیار

انسان اللہ تعالیٰ کی اشرف ترین مخلوقات میں سے ہے۔اس کا مقام ومرتبہ بہت بلند وبالا اور سب سے نرالا ہے۔آدم خاکی کو اللہ تعالیٰ نے مکرم فرشتوں سے سجدہ تعظیمی کروادیا اور ان پر ان کا علمی تفوق و برتری بھی جتادی۔رب کریم کی حکمت وعظمت دیکھئے کہ ان کو آدم کے مقابلے میں شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا۔انسانوں کو خلافت ارضی بخشی گئی،انبیاء،اولیاء،صلحاء،صدیقین اور شہداء انہی میں سے پیدا کیے گئے۔اب یہ آدم خاکی فضاؤں،کہکشاؤں،آسمانوں اور زمینوں کی قلابیں ملانے لگا اور بحر وبر،خشک وتر،زیر وزبر اور پیش وپس سب میں اسی کا کرشمہ اور کارنامہ نظر آتا ہے۔اللہ جل شانہ نے اپنی شان کریمی سے اس خاک کے پتلے کو کیا کیا نہ صلاحیتیں دے رکھی ہیں۔فرشتوں کو ان کا نگہبان بنادیا۔ان کو سب سے بڑی دولت علم سے مالا مال کردیا۔سب سے عظیم،حسین وجمیل،خوش منظر اور عظیم الخلقت مخلوق فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ ان کے اہم کاموں میں مددگار بنیں۔ارادہ واختیار اسے عطا کردیا گیا کہ وہ اپنے اندر خیر وشر کی صلاحیتوں کو جیسے چاہیں کام میں لائیں۔یہ اختیار تو بہر حال ان کو عطا کردیا گیا ہے۔اس کو علم،عقل وخرد اور قوت تمیز خیر وشر عطا کرنے کے ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ یہ بھلائی ہے اس سے جزائے خیر ملے گا اور یہ شر وبرائی ہے اس کی سزا بھی ملے گی۔

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے ،بد سے بدی کی بات لے

انسان کو یہ مقام ومرتبہ ملنے کے ساتھ یہ جتادیا گیا ہے کہ اگر شکر کروگے تو مزید بہت کچھ پاؤگے اور کفر کروگے تو سب کچھ کھودوگے اور سخت سزا بھی پاؤگے۔اور اس سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی،دست درازی اور حقوق تلفی کروگے تو بہت گھاٹے میں رہوگے،خود پچھتاؤگے اور عذاب وعقاب کے سزاوار ہوگے۔اس وقت تمہارے یہ مال جسے تم سینت سینت کے رکھتے تھے اور اس سلسلے میں حلال وحرام کی تمیز کھوئے بیٹھے تھے،وہ تمہارے لیے کچھ کام نہیں آئیں گے۔قرآن کریم میں تمہارے لیے عبرت ونصیحت اور موعظت کے بہترے سامان مہیا کردیئے گئے،تمہارے لیے بڑی زبردست رہنمائی فرمائی گئی،بھلی بری باتیں سمجھائی گئیں اور تمہیں اس کے اچھے برے انجام سے باخبر کیا گیا۔اس کے لیے بہت مہلت دی گئی،خوش نصیب ہیں وہ جنہوں نے نصیحت پکڑلی اور خائب وخاسر اور ناکام ونافرجام رہے وہ جنہوں نے کان نہیں دھرا اور

مدیر مسئول

اصغر علی امام مہدی سلفی

مدیر

عبدالقدوس اطہر نقوی

نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی

مجلس ادارت

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طٰہٰ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انس وجن کو شامل ہے	۶
نرمی کی اہمیت	۱۰
انتقام: اسباب وعلاج	۱۵
ہماری دعائیں بے اثر کیوں؟	۱۷
عذاب قبر سے بچاؤ کے طریقے	۲۱
فضائل اخلاق	۲۵
مولانا ابوالکلام آزاد حیات وخدمات	۲۷
جماعتی خبر	۳۰
گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے	۳۱
اپیل	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدل اشتراک

سالانہ ـــــــــ ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ـــــــــ ۷/روپے
پاکستان ـــــــــ ۵۰۰/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ۴۱۱۶،اردو بازار،جامع مسجد،دہلی۔۱۱۰۰۰۶
www.ahlehadees.org ویب سائٹ
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

ہائے دنیا، ہائے دنیا کرتے کرتے مر گئے۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا ارشاد ہے: وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ (فصلت:۵۱) ''اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے، اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔''

دیکھو! اللہ جب انسان کو مال و منال دے کر آزماتے ہیں تو وہ پھولے نہیں سماتا، خوب گنگناتا اور اتراتا چلا جاتا ہے۔ اور کہنے لگتا ہے کہ دیکھو! میری کتنی عزت وحیثیت ہے۔ ہمارے پاس دولت کی ریل پیل ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ہے تب ہی تو اس نے ہمیں نوازا ہے۔ ہماری حیثیت وعزت اور قدر و قیمت بڑھ رہا ہے۔ وہ بسا اوقات اس کا شکر ادا کرنا بھی بھول جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا۔ تو ہم کو کیوں عطا کرتا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے مال میں کوئی برکت ہی نہیں ہوتی۔ یہی حال آل واولاد، عزت وشرف اور منصب و جاہ کا بھی ہے۔ اسے ڈھیل پر ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے، مال واولاد کی کثرت ہوتی جاتی ہے، روز بروز ترقی اور تعمیر کے منازل طے ہوتے رہتے ہیں اور انسان غفلت میں پڑا اس کو آزمائش وامتحان نہ جان کر رب کا نافرمان بنتا چلا جاتا ہے اور اس آزمائش میں فیل ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سب ٹھیک ہے اس لیے نوازش ہو رہی ہے اور ہمارا رب خوش ہے۔ اس مادی دنیا میں یہ اکثر دینداروں کا حال ہے، دنیا داروں کا حال تو مزید ابتر و بدحال ہے اور نہ ان کا کوئی پرسان حال ہے۔ ان کے لیے اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا (الطارق:۱۷) ''انہیں تھوڑے دنوں ان کے حال پر چھوڑ دے۔'' کہہ دیا گیا ہے اور عقاب وثواب کا انتظار ہے۔

دوسرا گروہ انسانوں کا وہ ہے جس کی روزی تنگ کر دی گئی، رزق بڑے جچے تلے انداز میں ملی، نہ مال کی فراوانی اور نہ اولاد کی کثرت بلکہ بسا اوقات فقر و فاقہ کی نوبت، ایسے میں وہ انسان کہہ ڈالتا ہے کہ ہمارے رب نے ہماری تو درگت بنادی اور ہماری ذلت وخواری کا سامان کر دیا اور ہماری قدر گھٹا دی ہے۔ یہ بھی دولت کا پجاری، وہ بھی دولت کا شکاری۔ دونوں دولت کے بھکاری اور اس کے ساتھ وفاداری کے خوگر، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک دولت کو پا کر اسی کو ہی سب کچھ سمجھ کر اپنی عزت واکرام کا سامان گردانتا ہے۔ جبکہ دوسرا اسی دولت کو ہی سب کچھ جانتا ہے اور نہ ملنے پر اسکو سب کچھ سمجھ کر اپنی تہی دامنی اور تنگدستی پر شکوہ کناں ہے کہ اس کو دولت نہ ملی۔ انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔

یہ بات دنیا داروں سے بعید نہیں، نہ ہی باعث تعجب ہے۔ انتہائی تعجب اور حیرانی اور بیحد افسوس اس امر پر ہے کہ آج کل جو دیندار اور دین پسند ہیں، دینی کام بجالاتے ہیں، روزہ، نماز، حج اور زکوۃ کے بھی پابند نظر آتے ہیں، مگر اکثر مادیت زدہ ہونے کی وجہ سے یا جہالت کے باعث جب ان کو بایں ہمہ دینداری وایمان داری اور عمل صالح کر کے آزمائشوں، پریشانیوں اور سخت حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، روزی روٹی کی تنگی ہونے لگتی ہے، بیماری ان کے اہل خانہ اور آل اولاد کا پیچھا نہیں چھوڑتی، کاروبار کمزور اور ٹھپ پڑنے لگتا ہے، بچے خاطر خواہ تعلیم سے آراستہ نہیں ہو پاتے، دنیا کی بھاگ دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ پریشانیاں پیچھا نہیں چھوڑتیں، نت نئے مسائل اور مشکلات کا سامنا رہتا ہے، بسا اوقات دشمن اور بدخواہ بڑھ جاتے ہیں، خود تو نیک ہیں مگر بچوں کی شادی خانہ آبادی کے بعد ان کو اچھا گھر اور ماحول نہیں ملتا۔ ایسے میں انسان دنیا داروں کی طرح جھٹ کہہ دیتا ہے اور دل کی بات منہ پر آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہیں، اس لیے ہماری قسمت اور مقدر میں اس طرح کی پریشانی در آئی ہے۔ وہ لوگ جو نماز نہیں پڑھتے، جھوٹ بولتے ہیں، صدقہ و خیرات نہیں کرتے، حج بھی نہیں کیا ہوا ہے، مگر وہ خوشحال وفارغ البال اور دولت کی چمک دمک سے نہال ہو رہے ہیں۔ مال و جاہ اور صحت وعزت کے نشے میں چور اور مغرور نظر آرہے ہیں، اور کنبہ وقبیلہ اور آل واولاد بھی سب پھلتے پھولتے نظر آرہے ہیں۔ اب وہ بہت مگن ہیں کہ انہیں ان کے رب کریم نے خوب نوازدیا ہے اور ان کی خوب خوب عزت کی ہے، چنانچہ وہ پکار اٹھتا ہے کہ میرے رب نے مجھے بڑا مقام عطا کر دیا، وہ تو مجھ سے راضی اور خوش ہے۔ یہ دیندار اللہ جل شانہ سے دوری اختیار کر کے، اس کی عبادت میں کمی کر کے اور اس رب کائنات اور خالق ومالک کی بندگی نہ کر کے اس کے غضب کو دعوت دے رہا ہے، اسے ناراض کر رہا ہے اور دنیوی اور اصل زندگی آخرت دونوں میں ناکام ونامراد ہوتا چلا جا رہا ہے، لیکن تھوڑی سی دنیا کو پا کر اترا رہا ہے کہ اس کا رب اس سے خوش ہے۔ یہ دینداری نہیں بسا اوقات بڑی دنیا داری ہے۔ اللہ عز شانہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے جسے نادان انسان نے مولیٰ کی مرضی سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اگر واقعی ایماندار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار بنتا، اس کی نعمتوں کا زبانی شکر گذار ہوتا، دل سے اقرار کرتا اور عمل سے اس کی تصدیق کرتا اور اس میں روز افزوں ترقی کرتا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ صحت عطا کر دے اور اسے مزید اس کی بندگی کی اس کے شکرانے کے طور پر توفیق نہ دے تو اس کا دل بظاہر بہت مطمئن نظر آرہا ہے اور اسے سکون خاطر حاصل ہے تو رب پر نچھاور ہونے کے لیے بے تاب کیوں نہیں ہے اور کسی اور پر کیوں فدا ہے؟ متاع غرور کا سودا تو نہیں ہو رہا ہے؟ ورنہ اگر یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ہوتا تو یہ دل شاکر و ذاکر ہوتا، باغی و بعید نہیں ہوتا، یہ دولت وصحت اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضا سے ملی ہوتی تو اسی کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہوتی، یہ کیا ہے کہ تم دین داری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو اور صحت و دولت، جان ومال اور زندگی کی امنگوں، ولولوں اور

حوصلوں کو کسی اور کی نذر کرتے ہو، یہ تو سراسر دھوکہ ہے۔ دین کو، ایمان کو، اللہ کو اور رسول کو اور سب سے پہلے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ اور یہ تو خوب ہوا کہ دیا جو کچھ اللہ نے دیا اور تم اتنا ممکن ہوئے کہ اسے دوسروں پر قربان اور نثار کر دیا اور گھوڑے، جوڑے، خلعت فاخرہ، جان عزیز اور دل و دماغ معطر اور باغ و بہار اللہ تعالیٰ نے عطا کئے اور تونے کسی اور پر فدا کر کے اسے ہی نسیا منسیا کر دیا۔

وفا آموختی از ما و کار دیگراں کردی
ربودی گوہرے از ما نثار دیگراں کردی

حق تو یہ ہے کہ تم نہ رزق پا کر، نہ نعمتوں میں پل کر اور نہ عزت و شرافت کی زندگی حاصل کر کے رب کا شکر گذار بنے اور نہ تنگدستی میں صبر و شکر سے کام لیا، اور معیار زندگی اور مقصد حیات مادیت اور حصول دنیا کو ہی قرار دے لیا، حالانکہ تم کو جو کچھ ملا ہے رب نے دیا ہے، دونوں حالتوں میں اس کا شکر و صبر سے کام لیتے، اور صحت و تندرستی، جان و جسم، یہ دونوں آنکھیں جن سے عجائب قدرت دیکھتے ہو اور جن ہونٹوں کی مدد سے مختلف ساز و انداز میں تمہاری آواز اسی کے دیئے ہوئے دونوں کانوں کے پردے پر ٹکراتی ہے اور ان میں رس گھول دیتی ہے اور تم سامعہ نوازی کے سزاوار ہوتے ہو، اسی کی عطا کردہ نعمت قلب و جگر کو سرور بخشتے ہو، تم بتاؤ ایک انگلی بھی پیدا کرنے اور اس میں مختلف احساسات، ریشے اور رگیں پیدا کرنے اور وجود بخشنے میں تمہارا کوئی کردار ہے۔؟ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ (الطور:۳۵) ”کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں۔“

تم اپنی جان اور جسم سے بھی بے خبر تھے اور اب بھی عبرت و نصیحت کی ہزار داستانیں تمہارے اندر موجود ہے، ان سے بھی غفلت میں ہو۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات:۲۱) ”اور خود تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں)، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔“

اگر تم ذرہ برابر ان نعمتوں کی قدر کرتے تو ہر حال میں یتیموں، بیواؤں، بےکسوں، لاچاروں، اپاہجوں، نابیناؤں، گونگوں اور بہروں کا خیال رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو ہاتھ پیر دیئے ہیں تو بے پاؤں ہاتھ والوں کے کام آتے اور ان پر رحم کھاتے، ارے ہاتھ نہ دو، پاؤں اور زبان و دل مت دو، مگر ان کی مدد اور عزت تو کرو اور رب کے شکر یہ کا دم بھرو۔ دیکھو! یتیموں کا معاملہ صرف کھلانے، پلانے اور ان کی دیکھ ریکھ پر جا کر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ تم جس طرح باپ کی شفقتوں، مدد اور سہاروں میں جی کر اگر پلے بڑھے ہو تو ان یتیموں کی بھرپور عزت و تکریم بھی کرو۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (الفجر:۱۷۔۲۳) ”انسان کا (یہ حال ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا ہے اور جب وہ اس کو آزماتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا) ایسا ہرگز نہیں (کہ اللہ تعالیٰ تنگی میں مبتلا کر کے کس کی تذلیل کرتا ہے)، بلکہ بات یہ ہے کہ تم ہی لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے، اور مسکینوں کے کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے، اور (مردوں کی میراث) سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔ یقیناً جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی اور تیرا رب خود آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر آجائیں گے۔ اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی اس دن انسان کو سمجھ آئے گی، مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟)

تمہارا معاملہ اس قدر خراب ہو چکا ہے اور دنیا اور اسکی دولت کے تم اس قدر دلدادہ ہو گئے یا اس کے پیچھے پڑ کر ملے نہ ملے اسی کے متوالے اور دیوانے اور اسی پر مثل مگس مر جانے والے ہو گئے ہو کہ میراث بھی اکیلے ہڑپ کر جانے کی تاک میں طاق ہو۔ تمہیں نہ دنیا میں اپنے مقصد کی پرواہ ہے نہ آخرت میں جوابدہی کی فکر، نہ مر کر بہت سخت و سنگین حالات میں اس کے حضور حاضری کی فکر، آہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ باپ داداؤں کی جمع پونجی تمام خویش و اقارب حتی کہ ماں، بہن اور بھائی کو بھی چھوڑ کر اکیلے سمیٹ لیتے ہو۔

تم خالص طور پر اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ، اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ:۱۳۱) ”میں نے رب العالمین کی فرماں برداری کی“ کہو اور اسی کا ہو کر رہ جاؤ۔ وہ رب کریم ہے، اس نے جس حال میں رکھا ہے اسی میں بندہ ممنون بن کر خوش رہو اور وہی ہر طرح کی نعمتیں عطا کر رہا ہے، اس کا شکر ادا کرو اور اسی کا گن گاؤ تا آنکہ تمہارا رواں رواں جو اسی کے مرہون منت ہے اسی کی گواہی نہ دینے لگ جائے، اسی کی سرکار خدمت کے لائق ہے، اس میں جی جان سے لگ جاؤ اور کہو

در در سے ٹکرا کر کے سر، رکھا تیری درگاہ پر
تو بھی نہ کر در سے بدر، تجھ بن نہیں کوئی مرا
تیرا دیا کھاتا ہوں میں، تیرا ہی کہلاتا ہوں میں
تیری ثنا گاتا ہوں میں، تجھ بن نہیں کوئی مرا
جب ہاویہ پرجوش ہو، گم ہر کسی کا ہوش ہو
ہر آشنا روپوش ہو، تجھ بن نہیں کوئی مرا
مسلم کی جب آئے اجل، یہ کہہ کے دم جائے نکل
اسے پاک ذات لم یزل، تجھ بن نہیں کوئی مرا

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انس وجن کو شامل ہے

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنوں کے لئے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے اب کوئی بھی انسان یا جن ایسا نہیں جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی اتباع کرنا واجب نہ ہو اس لئے ہر شخص پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی خبر دیں اس میں وہ آپ کی تصدیق کرے اور جس بات کا حکم دیں اس میں آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے جس انسان یا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حجت قائم ہوگئی پھر بھی وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے، کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انس وجن کی طرف بھیجے گئے پیغمبر ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپسی کے جنوں نے قرآن سنا اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرایا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ اپنے نبی کو اس واقعہ کی خبر دی فرمایا:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الاحقاف:۲۹-۳۲)

"اور یاد کرو جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب وہ نبی کے پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہا کہ خاموش ہو جاؤ پھر جب پڑھ کر ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ اور جو اللہ کے بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا اور نہ ہی اللہ کے سوا اس کے کوئی مددگار رہوں گے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔"

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا (الجن:۱تا۶)

"اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو اب ہم اس پر ایمان لا چکے اور اب ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور بیشک ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا۔ اور ہم میں کا بیوقوف اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کہا کرتا تھا اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں۔ اور بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے۔"

مذکورہ بالا آیت میں "سفیہنا" سے علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق "السفیہ منا" مراد ہے یعنی ہم میں سے جو بیوقوف تھا۔ متعدد اسلاف نے کہا ہے کہ جب کوئی انسان کسی وادی میں اترتا تو یہ کہتا کہ میں اس قوم کے سفیہوں کے شر سے اس وادی کے سردار کی پناہ چاہتا ہوں جب انسانوں نے جنوں کی پناہ طلب کرنی شروع کر دی تو جن اپنی سرکشی اور کفر میں بڑھ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (الجن:۶تا۸)

"بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے اور انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا۔ اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت

چوکیداروں اور شعلوں سے پر پایا۔''

نزول قرآن سے پہلے بھی شیاطین کو شہاب سے مارا جاتا تھا، لیکن کبھی شہاب کے لگنے سے پہلے ہی وہ چوری سے بعض باتیں سن لیتے تھے، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آسمان کو سخت چوکیداروں اور شہابوں سے پر کر دیا گیا اور شیطان کے سننے سے پہلے ہی شہاب ان کی تاک میں لگ گئے، جیسا کہ (قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ) جنوں نے کہا: وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (الجن:۹)

''اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لئے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے لیکن اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔'' اور ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (الشعراء:۲۱۰تا۲۱۲)

''اس قرآن کو شیطان نہیں لائے۔ نہ وہ اس کے قابل ہیں اور نہ انہیں اس کی طاقت ہے۔ بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔''

اس کے بعد جنوں نے کہا: وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (الجن:۱۰-۱۱)

''اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔ اور بیشک بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں (جماعتوں) میں بٹے ہوئے ہیں۔''

یعنی جیسا کہ علماء نے کہا ہے جنوں میں بھی مسلمان، مشرک، یہودی، عیسائی، سنی اور بدعتی ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (الجن:۱۲)

اور ہم نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔

یعنی انہوں نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ وہ اللہ کو کسی بھی حال میں عاجز نہیں کر سکتے، نہ زمین میں قیام کر کے اور نہ ہی زمین سے بھاگ کر۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (الجن:۱۳-۱۴)

''اور ہم نے جب ہدایت کی بات سنی تو اس پر ایمان لے آئے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں۔''

یعنی بعض ظالم ہیں کیونکہ انصاف کے لئے ''اقسط'' بولا جاتا ہے اور ظلم وجور کے لئے ''قسط'' استعمال کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ'' ۵ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا (الجن:۱۴-۲۴)

''پس جو مسلمان (فرمانبردار) ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا۔ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔ (اے پیغمبر! یہ بھی کہہ دیں کہ) اگر لوگ راہ راست پر قائم رہتے تو یقیناً ہم انہیں بہت وافر پانی پلاتے۔ تاکہ ہم اس میں انہیں آزما لیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ کے لئے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ کہہ دیجئے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا۔ البتہ میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات کو پہنچا دینا ہے اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے، پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے۔''

بہرحال جب جنوں نے قرآن سنا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ پر ایمان لے آئے، یہ شہر نصیبین کے جن تھے جیسا کہ صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جنوں کو سورہ رحمٰن پڑھ کر سنائی اور جب آپ (فبای آلاء ربکما تکذبان) پڑھتے تو اس کے جواب میں جن کہتے ولا بشئی من آلائك ربنا نکذب فلك الحمد یعنی اے ہمارے رب! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے تیرے ہی لئے تعریف ہے۔

پھر جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تو آپ سے خود اپنے لئے اور اپنے چوپایوں کے لئے خوراک کا سوال کیا آپ نے فرمایا:

''تمہاری خوراک ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ تمہیں بھرپور گوشت کی شکل میں ملے گی اور تمہارے چوپایوں کے لئے ہر قسم کی مینگنی خوراک ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: ''تم ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو، یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہیں۔''

یہ ممانعت متعدد طرق سے ثابت ہے اور اسی سے علماء نے ہڈی اور مینگنی سے استنجاء کرنے کی ممانعت پر دلیل لی ہے اور مزید یہ کہا ہے کہ جب جنات اور ان کے چوپایوں کی خوراک سے استنجاء کرنا منع ہے تو انسان اور ان کے چوپایوں کی خوراک سے استنجاء کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔

غرضیکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام انسانوں اور جنوں کے لئے ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر ومنزلت کے اعتبار سے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں کی تسخیر سے بڑھ کر ہے حضرت سلیمان کے لئے جنوں کو مسخر کر دیا گیا تھا اور وہ بحیثیت بادشاہ ان پر حکومت کرتے تھے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف اس لئے مبعوث کئے گئے کہ آپ انہیں اللہ کا پیغام پہنچائیں کیونکہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور بندہ ورسول کا مقام ومرتبہ بادشاہ نبی سے بلند ہوتا ہے۔

کافر جنوں کے بارے میں تو نص اور امت کا اجماع ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے لیکن مومن جنوں کے بارے میں جمہور کا یہی مذہب ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

جمہور علماء کا یہ قول بھی ہے کہ تمام رسول انسان تھے، جنوں میں سے کوئی رسول نہیں ہوا، البتہ ان میں سے نذیر (ڈرانے والے) پیدا ہوئے ہیں، ویسے ان مسائل کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جنات انسانوں کے ساتھ درج ذیل احوال میں ہوتے ہیں:

☆ جو انسان جنوں کو وہی حکم دے جو حکم اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی ایک اللہ کی عبادت اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا اور یہی حکم وہ دیگر انسانوں کو بھی دے، تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے افضل ترین اولیاء میں سے ہے، بلکہ وہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خلیفہ اور نائب ہے۔

☆ اور جو انسان جنوں کو مباح کاموں میں استعمال کرے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص انسانوں کو مباح کاموں میں استعمال کرے، اب اگر یہ شخص جنوں کو واجبات کی پابندی کا حکم دیتا اور محرمات سے روکتا ہے اور ان سے مباح کام کرواتا ہے تو وہ بمنزلہ ان بادشاہوں کے ہے جو ایسا کرتے ہیں، ایسے شخص کو اگر اولیاء اللہ میں سے مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ وہ عام اولیاء کے درجے میں ہوگا اور خاص اولیاء کے مقابلہ میں اس کی حیثیت وہی ہوگی جو عبد ورسول کے مقابلہ میں بادشاہ نبی کی ہے اور حضرت ابراہیم اور عیسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں حضرت سلیمان اور یوسف علیہما السلام کی ہے۔

☆ اور جو شخص جنوں کو اللہ اور رسول کے منع کردہ کاموں میں استعمال کرے یعنی شرکیہ امور میں یا کسی بے گناہ کے قتل کرنے میں یا قتل کے علاوہ اس پر ظلم وزیادتی کرنے میں مثلاً اسے بیمار کرنے یا اس کا علم بھلانے یا اسے اللہ کی یاد سے غافل کرنے یا اس کے علاوہ کسی بھی قسم کا ظلم کرنے میں یا کسی فعل بد مثلاً جس سے بدکاری کا ارادہ ہے اسے کھینچ کر لانے میں جنوں کو استعمال کرے اس نے گویا اثم وعدوان پر ان سے مدد لی، اب اگر اس نے جنوں سے کفر پر مدد لی تو وہ کافر ہے اور اگر معصیت پر مدد لی تو گنہگار فاسق یا کم ازکم گنہگار ہے۔

☆ اور جس شخص کے پاس شریعت کا پورا علم نہ ہو اور وہ جنوں سے ایسے کاموں میں مدد لے جن کو وہ کرامات سمجھتا ہو، مثلاً اس کام میں مدد لے کہ وہ اسے بدعی سماع کے وقت اڑا کر لے جائیں، یا اسے اٹھا کر عرفات لے جائیں اور وہ شرعی حج نہ کرے جس کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے، یا اسے ایک شہر سے دوسرے شہر اٹھا کر لے جائیں اور اسی طرح کے دیگر کام کروائے تو ایسا شخص دھوکہ میں ہے اور شیاطین کے مکر وفریب کا شکار ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ مذکورہ بالا کام جن وشیاطین کے ہیں، بلکہ انہوں نے یہ سن رکھا ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ سے کرامتیں اور خارق عادت تصرفات ظاہر ہوتے ہیں، وہ حقائق ایمان اور علم قرآن سے اتنا واقف نہیں ہوتے کہ رحمانی کرامات اور شیطانی تلبیسات کے درمیان تمیز کر سکیں، اس لئے ایسے لوگوں کے حسب اعتقاد شیاطین ان کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں اب اگر وہ شخص مشرک ہے اور ستاروں یا بتوں کی عبادت کرتا ہے تو اسے اس وہم میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ یہ عبادت اس کے لئے نفع بخش ثابت ہو رہی ہے اس کا ارادہ تو یہ ہوتا ہے کہ جس بادشاہ یا نبی یا بزرگ کی صورت پر یہ بت بنایا گیا ہے اس سے شفاعت یا توسل کا طالب ہو، چنانچہ اپنے اسی ارادہ ونیت کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس نبی یا

بزرگ کی عبادت کررہا ہے، حالانکہ وہ درحقیقت شیطان کی پوجا کررہا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ (سبا: ۴۰-۴۱)

''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے، تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ یہ لوگ، بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر کا انہی پر ایمان تھا۔''

اور یہی وجہ ہے کہ سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرنے والے جب ان کو سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کے سجدہ کے وقت شیطان سورج، چاند اور ستاروں کے قریب ہوجاتا ہے تاکہ ان کا سجدہ اسی کے لئے ہو۔

اور اسی لئے شیطان اس شخص کی صورت اختیار کرلیتا ہے جس سے مشرکین استغاثہ وفریاد کرتے ہیں، اگر استغاثہ کرنے والا نصرانی ہے اور جرجس یا کسی اور سے استغاثہ کرتا ہے تو شیطان جرجس یا اس مستغاث شخص کی صورت بنا کر حاضر ہوجاتا ہے، اور اگر مسلمانوں سے نسبت رکھتا ہے اور مسلمانوں کے کسی شیخ سے استغاثہ کرتا ہے جس کے بارے میں اسے حسن ظن ہے تو شیطان اسی شیخ کی صورت میں حاضر ہوتا ہے، اور اگر وہ مشرکین سے تعلق رکھتا ہے تو شیطان اس شخص کی صورت میں حاضر ہوتا ہے جس کی مشرکین تعظیم کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ شیخ جس سے استغاثہ کیا جاتا ہے اس کے پاس شریعت کا علم ہو تو شیطان اسے یہ نہیں بتاتا کہ وہ اس کی صورت بنا کر اس سے استغاثہ کرنے والوں کے پاس گیا تھا، لیکن اگر اسے شریعت کا علم نہیں تو اس سے ان کی باتیں بتاتا اور ان کے اقوال نقل کرتا ہے، اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا شیخ دور سے ہی ان کی آواز سنتا اور جواب دیتا ہے، حالانکہ یہ سب شیطان کی وساطت سے انجام پاتا ہے۔

ایک شیخ جس کے ساتھ اس طرح کے مکاشفہ اور مخاطبت کی صورت پیش آئی تھی اس نے بتایا کہ مجھے جن پانی اور شیشہ کی طرح ایک صاف وشفاف چیز دکھاتے اور اس میں وہ میرے سامنے وہ سب کچھ حاضر کردیتے جس کے بارے میں معلومات مطلوب ہوتیں اور میں لوگوں کو بتاتا جاتا، وہ یہ بھی کرتے کہ میرے پاس میرے ان ساتھیوں کی باتیں پہنچاتے جو مجھ سے استغاثہ وفریاد کرتے، چنانچہ میں ان کی باتوں کا جواب دیتا، پھر وہ میرا جواب ان کو پہنچاتے۔

ان اہل خوارق شیوخ میں سے بہت سے لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب کوئی ناواقف شخص ان کی تکذیب کرتا اور کہتا کہ آپ لوگ یہ سارا کام حیلہ سے کرتے ہیں، جس طرح کچھ لوگ سفید پتھر، نارنگی کے چھلکے اور مینڈھک کے تیل وغیرہ کے طبعی حیلے استعمال کرکے آگ میں کود پڑتے ہیں تو اس بات پر شیوخ کو تعجب ہوتا اور کہتے کہ اللہ کی قسم! ہم یہ سارے حیلے نہیں جانتے، لیکن جب کوئی واقف کار شخص ان سے کہتا کہ آپ لوگ سچ کہتے ہیں لیکن یہ سب شیطانی احوال ہیں، تو وہ اس کا اقرار کرلیتے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کو اللہ نے توفیق دی، چنانچہ جب ان پر حق واضح ہوگیا اور کئی وجوہ سے انہوں نے جان لیا کہ یہ سب درحقیقت شیطان کی طرف سے ہے، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ یہ احوال شریعت مطہرہ میں مذموم بدعتوں اور اللہ ورسول کی معصیت ونافرمانی کے وقت ہی ظاہر ہوتے ہیں، مشروع عبادات جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ومطلوب ہیں ان سے ان کا ظہور نہیں ہوتا، تو انہوں نے قطعی طور پر جان لیا کہ یہ وہ خوارق وتصرفات ہیں جن کو شیطان اپنے دوستوں کے لئے ظاہر کرتا ہے، ان کا ان کرامات سے کوئی تعلق نہیں جن سے اللہ رحمٰن اپنے اولیاء کو نوازتا ہے، چنانچہ حق واضح ہوجانے کے بعد انہوں نے ان اعمال سے توبہ کرلی۔

☆☆☆

مضمون نویسوں سے گزارش

۱۔ مضمون صاف، خوشخط یا کمپیوٹرائزڈ بھیجیں۔
۲۔ مضمون کی اصل کاپی روانہ کریں۔ شائع شدہ مضامین ارسال نہ فرمائیں۔
۳۔ مضمون کی فوٹو کاپی دفتر کو ارسال نہ کریں، فوٹو کاپی میں بعض حروف مٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے مضامین کی اشاعت روک دی جاتی ہے۔
۴۔ مضمون نگار حضرات اپنا پورا پتہ اور موبائل نمبر ضرور لکھیں۔
۵۔ کسی مضمون میں اقتباس نقل کرتے وقت کتابوں کا حوالہ ضرور دیں۔
۶۔ قرآنی آیات اور احادیث کی پوری تخریج اور مصادر کا حوالہ ذکر کریں۔
۷۔ کسی دینی مسئلہ پر کوئی مضمون ہو تو اس پر ہر ناحیے سے بحث کرنے کے بعد راجح موقف بیان کریں۔
۸۔ اپنے مضامین میں پرجوش خطیبانہ یا منافرت پھیلانے والے اسلوب سے گریز کریں۔

(ادارہ جریدہ ترجمان)

نرمی کی اہمیت

ابو حمدان اشرف فیضی

نرمی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے: حدیث نبوی ہے: ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الأمر کلہ اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔(صحیح البخاری:کتاب : استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب اذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ٦٩٢٧)

دوسری حدیث میں ہے:عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یا عائشة، ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ما سواہ (صحیح مسلم: کتاب: البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق : ٢٥٩٣) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کی بنا پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو درشت مزاجی کی بنا پر عطا نہیں فرماتا اور اس کے علاوہ کسی بھی اور بات پر اتنا عطا نہیں فرماتا۔

نرم مزاجی انسان کو سنوارتی ہے : ارشاد نبوی ہے:ان الرفق لا یکون فی شئی الا زانه، ولا ینزع من شئی الا شانه (صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب: فضل الرفق: ٢٥٩٤) نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت کر دیتی ہے۔

نرمی سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے : حدیث میں ہے:عن جریر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من یحرم الرفق یحرم الخیر کله (سنن أبی داؤد: أول کتاب الأدب، باب: فی الرفق: ٤٨٠٩، صحیح) جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو رفق (نرمی) (کی خصلت) سے محروم کر دیا جاتا ہے وہ تمام خیر سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اللہ کی طرف سے وہ خیر میں ہوتا ہے : عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی اہل خانہ کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان کو نرمی عطا کر دیتا ہے۔(مسند احمد 24427، السلسلة الصحیحة 1219)

ایک اور حدیث میں ہے: ان اللہ لیعطی علی الرفق مالا یعطی علی الخرق واذا احب اللہ عبدا أعطاہ الرفق، ما من أهل بیت یحرمون الرفق، الا حرموا الخیر (مجمع الزوائد: ٨/ ٢١، صحیح الترغیب: ٢٦٦٦) اللہ تعالیٰ نرمی کے برتاؤ پر جو عطا کرتا ہے درشت مزاجی پر وہ عطا نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے نرمی کی صفت سے متصف کرتا ہے اور جو گھر والے نرمی کی صفت سے محروم کر دیئے وہ خیر و بھلائی سے محروم کر دیئے گئے۔

دوسری حدیث میں ہے: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو نرم برتاؤ کا حصہ مل گیا، اسے اس کی بھلائی کا حصہ بھی مل گیا اور جو شخص نرم برتاؤ کے حصہ سے محروم رہا وہ بھلائی سے بھی محروم رہا۔(سنن ترمذی:٢٠١٣)

یعنی انسان میں خیر کا پہلو اتنا ہی غالب ہوگا جتنا اس میں رفق اور نرم روی کا پہلو غالب ہوگا، اور جو اس صفت سے محروم ہوگا وہ خیر سے بھی محروم ہوگا۔

نرمی جنت میں لے جانے والی صفت ہے : حدیث نبوی ہے: اہل جنت تین (طرح کے لوگ) ہیں: ایسا سلطنت والا جو عادل ہے، صدقہ کرنے والا ہے، اسے اچھائی کی توفیق دی گئی ہے اور ایسا مہربان شخص جو ہر قرابت دار اور ہر مسلمان کے لئے نرم دل ہے اور وہ عفت شعار (برائیوں سے بچ کر چلنے والا) جو عیال دار ہے، (پھر بھی) سوال سے بچتا ہے۔(صحیح مسلم:٢٨٦٥)

نرمی جہنم سے نجات کاذریعہ ہے : عن عبداللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا أخبر کم بمن یحرم علی النار، أو بمن تحرم علیه النار، علی کل قریب هین سهل (سنن الترمذی: أبواب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم باب : ٢٤٨٨، صحیح) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ جہنم کی آگ لوگوں کے قریب رہنے والے، آسانی کرنے والے، اور نرم اخلاق والے پر حرام ہے۔ یعنی جو اپنے حسن اخلاق اور حسن معاملہ سے لوگوں کے دلوں میں اور دنیاوی معاملات میں دوسروں کے ساتھ آسانی، نرمی، تواضع اور مشفقانہ طرز اپنانے والا ہے اس کے

لئے جہنم کی آگ حرام ہے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ محدثین عظام نے اس سے متعلق اپنی کتابوں میں ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً:

۱۔صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الرفق فی الأمر کله

۲۔صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق

۳۔سنن ابی داؤد: أول کتاب الأدب، باب فی الرفق

۴۔سنن الترمذی: أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله علیه وسلم، باب ما جاء فی الرفق

۵۔سنن ابن ماجه: کتاب الأدب ، باب الرفق

۶۔سنن النسائی: کتاب البیوع، حسن المعاملة والرفق فی المطالبة

۷۔سنن النسائی: کتاب آداب القضاة، اشارة الحاکم بالرفق.

اقوال سلف: نرمی کی اہمیت سے متعلق سلف صالحین سے متعدد اقوال منقول ہیں، بعض اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: الرفق رأس الحکمة (الفردوس، بمأثور الخطاب: ۲/ ۲۸۰، رقم: ۳۲۹۸) نرمی اصل حکمت ہے۔

۲۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لو کان الرفق رجلا کان اسمه میمونا، ولو کان الخرق رجلا کان اسمه مشؤوما (الفردوس بمأثور الخطاب ۳۴۱/۳، رقم: ۵۰۲۷) اگر رفق (نرمی اختیار کرنا) آدمی ہوتا تو اس کا نام برکت ہوتا اور اگر درشتی آدمی ہوتا تو اس کا نام نحوست ہوتا۔

۳۔جریر فرماتے ہیں: الرفق فی المعیشة خیر من کثیر التجارة (الفردوس بمأثور الخطاب: ۲۸۰/۲، رقم: ۳۳۰۰) معیشت میں نرمی زیادہ تجارت سے بہتر ہے۔

نرمی کے مختلف پہلو:

اہل خانہ کے ساتھ نرمی: نبی ﷺ اہل وعیال کے حق میں بہت مہربان ونرم دل تھے، بڑی نرمی وخوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، ان کے جذبات واحساسات کا پورا خیال رکھتے تھے، انہیں کچھ بھی تکلیف نہیں دیتے تھے، حدیث میں ہے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اپنی اولاد پر شفیق نہیں دیکھا، (آپ کے فرزند) ابراہیم مدینہ کی بالائی بستی میں دودھ پیتے تھے، آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے، آپ گھر میں داخل ہوتے تو وہاں دھواں ہوتا کیوں کہ ابراہیم کے رضاعی والد لوہار تھے۔ آپ بچے کو لیتے، اسے پیار کرتے اور پھر لوٹ آتے۔ عمرو (بن سعید) نے کہا: جب ابراہیم فوت ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا ہے اور وہ دودھ پینے کے ایام میں فوت ہوا ہے، اس کی دودھ پلانے والی دو مائیں ہیں جو جنت میں اس کی رضاعت (کی مدت) مکمل کریں گی۔ (صحیح مسلم 2316)

ایک اور حدیث میں ہے: عن أنس بن مالک قال: کان النبی صلى الله علیه وسلم فی مسیر له، فحدا الحادی، فقال النبی صلى الله علیه وسلم: ارفق یا أنجشة "ویحک" بالقواریر (صحیح البخاری: کتاب: الأدب، باب: المعاریض مندوحة عن الکذب: ۶۲۰۹) انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں تھے، راستہ میں حدی خواں نے حدی پڑھی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے انجشہ! شیشوں کے ساتھ نرمی کر (ان کو آہستہ آہستہ لے کر چل) تجھ پر افسوس ہے۔

اہل خانہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی نرمی کا پہلو یہ بھی ہے کہ آپ گھریلو کاموں میں ان کا تعاون کرتے تھے، حدیث میں ہے: عن الأسود قال: سألت عائشة: ما کان النبی صلى الله علیه وسلم یصنع فی أهله؟ قالت: کان فی مهنة أهله، فاذا حضرت الصلوة، قام الی الصلاة (صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب کیف یکون الرجل فی أهله: ۶۰۳۹) اسود بن یزید نے بیان کیا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا: نبی کریم ﷺ اپنے اہل خانہ کی خدمت میں لگے رہتے (گھر کے کام کاج کرتے) اور جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا اہل خانہ کے ساتھ جو مثالی اخلاق تھا اسے آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے شخص کو کامل مومن قرار دیا ہے جو اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہو، ارشاد نبوی ہے: عن أبی هریرة، قال: قال رسول الله صلى الله علیه وسلم: أکمل المؤمن ایمانا أحسنهم خلقا، وخیرکم خیرکم لنسائهم (سنن الترمذی: أبواب الرضاع عن رسول الله صلى الله علیه وسلم ، باب: ماجاء فی حق المرأة علی زوجها ۶۲، حسن صحیح) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان میں سب سے کامل مومن وہ ہے جو سب سے بہتر اخلاق والا ہو، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق میں اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔

خادموں کے ساتھ نرمی: خادموں کے لئے بھی نبی ﷺ بڑے نرم دل تھے، نرمی سے پیش آتے تھے، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے، طاقت سے

زیادہ انہیں کسی کام کا مکلّف نہیں بناتے تھے، خادم رسول انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **خدمت النبی صلی الله علیه وسلم عشر سنین، فما قال لی: أف ولا لم صنعت؟ ولا : ألا صنعت** (صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء : ۶۰۳۸) میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔

اسی طرح نبی ﷺ نے غلاموں اور خادموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا: **للمملوک طعامه و کسوته، ولا یکلف من العمل الا ما یطیق** (صحیح مسلم: کتاب الأیمان، باب اطعام المملوك مما یأکل والباسه مما یلبس: ۱۶۶۲) طعام اور لباس غلام کا حق ہے اور اس پر کام کی اتنی ذمہ داری نہ ڈالی جائے جو اس کے بس میں نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے:

معرور بن سوید سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان (کے جسم) پر (آدھا) حلہ تھا اور ان کے غلام پر بھی اسی طرح کا (آدھا) حلہ تھا، میں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں انہوں نے ایک آدمی کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں (کے عجمی ہونے) کی (بنا پر) عار دلائی: تو وہ آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ بات بتائی، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (کی خو) ہے، وہ تمہارے بھائی اور خدمت گزار ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے، تو جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اسے اسی کھانے میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور وہی لباس پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کے ذمے ایسا کام نہ لگاؤ جو ان کے بس سے باہر ہو اور اگر تم ان کے ذمے لگاؤ تو ان پر ان کی اعانت کرو۔ (صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب اطعام المملوك مما یأکل والباسه مما یلبس: ۱۶۶۱)

ایک اور حدیث میں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے، پھر اس کے سامنے پیش کرے اور اسی نے (آگ کی) تپش اور دھواں برداشت کیا ہے تو وہ اسے اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ (غلام بھی اس کے ساتھ) کھائے اور اگر کھانا کم ہو تو اس کے ہاتھ میں ایک یا دو لقمے رکھ دے (صحیح مسلم: ۱۶۱۳) سبحان اللہ! غور فرمائیں کہ خادموں اور غلاموں کے لئے نبی ﷺ کی کیسی عنایتیں اور مہربانیاں ہیں۔

بچوں کے ساتھ نرمی: بچوں کے لئے بھی نبی ﷺ بڑے نرم دل تھے، پیار و شفقت سے انہیں بوسہ دیتے، بسا اوقات ان سے دل لگی کرتے، ان کے پاس سے گزرتے تو ان سے سلام کرتے، انہیں دعائیں دیتے تھے، حدیث میں ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا، آپ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور ان کو گھٹی دیتے۔ آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس نے آپ پر پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوایا اور اس کے پیشاب پر بہا دیا اور اسے (رگڑ کر) دھویا نہیں۔ (صحیح مسلم: کتاب الطهارة باب حکم باب الطفل الرضیع وکیفیة غسله: ۲۸۶)

اسی طرح حدیث میں ہے: **کان یزور الأنصار ویسلم علی صبیانهم ویمسح رؤسهم** (صحیح ابن حبان: ۴۵۹، السلسلة الصحیحة: ۴۹/۵، صحیح الجامع ۴۹۴۷) نبی کریم ﷺ انصار سے ملاقات کے لئے جاتے تھے، ان کے بچوں سے سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

ایک اور حدیث میں ہے: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنے گھر جانے کے لئے نکلے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ نکلا۔ سامنے کچھ بچے آئے تو آپ ﷺ نے ہر ایک بچے کے رخسار پر ہاتھ پھیرا اور میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ میں وہ ٹھنڈک اور وہ خوشبو محسوس کی جیسے نبی کریم ﷺ نے عطر فروش کے ڈبہ میں سے ہاتھ نکالا ہو۔ (صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب طیب رائحة النبی صلی الله علیه وسلم ولتن مسه والتبرك بمسحه: ۲۳۲۹)

اسی طرح حدیث میں ہے: **عن أسامة بن زید رضی الله عنهما: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یأخذنی، فیقعدنی علی فخذه ویقعد الحسن علی فخذه الأخری ثم یضمهما ثم یقول: اللهم ارحمهما فانی أرحمهما** (صحیح البخاری کتاب الأدب باب وضع الصبی علی الفخذ ۶۰۰۳) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی ایک ران پر بٹھاتے تھے اور حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھاتے تھے۔ پھر دونوں کو ملاتے اور فرماتے، اے اللہ! ان دونوں پر رحم کر، کہ میں بھی ان پر رحم کرتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے: ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو (بعض اوقات) نماز پڑھتے وقت اٹھائے ہوتے تھے۔ ان کے والد ابو العاص بن ربیعہ بن عبد شمس ہیں، سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۶)

ظالموں اور جاھلوں کے ساتھ نرمی: نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ایسے واقعات اور ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جب ظالموں نے

آپ پر ظلم کیے، پتھر برسائے، مختلف شکلوں میں اذیت دیئے، برا سلوک کیے، شان اقدس میں گستاخیاں کیں، آپ نے بڑی نرمی اور محبت سے ان کا جواب دیا، صبر وضبط اور عفو ودرگزر سے کام لیا، اس سلسلے میں احد، طائف اور فتح مکہ کا واقعہ مشہور ہے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جانی دشمن بھی عقیدت مند بن گئے اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث میں ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نجران کی بنی ہوئی چوڑے حاشیہ کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کو پکڑ لیا اور زور سے آپ کو کھینچا، میں نے آپ کے شانے کو دیکھا، اس پر چادر کے کونے کا نشان پڑ گیا، ایسا کھینچا۔ پھر کہنے لگا۔ اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھ کو دلا دیئے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دینے کا حکم فرمایا۔ (صحیح البخاری: کتاب: فرض الخمس، باب ما کان النبی یعطی المولفة قلوبهم وغیرهم من الخمس: ۳۱۴۹)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: فجاذبه حتی انشق البرد، وحتی بقیت حاشیته فی عنق رسول الله ﷺ (صحیح مسلم: کتاب لزکوة باب: اعطاء من سأل بفحش وغلظة: ۱۰۵۷) اور ہمام کی حدیث میں ہے اس نے آپ کے ساتھ کھینچا تانی شروع کردی یہاں تک کہ چادر پھٹ گئی اور یہاں تک کہ اس کا کنارا رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک میں رہ گیا۔

دعوت دین میں نرمی: دعوت کے اسالیب میں ایک اہم اسلوب پیار اور نرمی سے دعوت دینا ہے، مدعو کیسا بھی ہو، کافر، مشرک، بدعتی، گمراہ، ظالم، سرکش، ہر ایک کو نرمی سے سمجھانا ہے، مشتعل نہ ہوں، بیزار نہ ہوں، غور فرمائیں کہ تاریخ انسانیت کے سب سے بڑے ظالم، سرکش، متکبر اور سفاک انسان فرعون کے پاس موسیٰ وہارون علیہما السلام کو دعوت دینے کے لئے جب اللہ نے بھیجا تو نرمی سے دعوت دینے کا حکم دیا۔ فرمایا: اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی (طہ: ۴۳-۴۴) تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ تفسیر بغوی میں ہے: وقرأ رجل عند یحی بن معاذ هذه الآیة فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا فبکی یحی، وقال: الهی هذا رفقک بمن یقول أنا الا اله فکیف رفقک بمن یقول أنت الاله؟ (تفسیر القرطبی: ۱۱/۲۰۱، بحواله تفسیر البغوی: طه: ۳۴-۴۴) یحییٰ بن معاذ کے پاس ایک آدمی نے اس آیت کی تلاوت کی تو یحییٰ سن کر رونے لگے اور کہا: اے اللہ تیری یہ نرمی اس شخص کے ساتھ ہے جو خود الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے تو تیری نرمی اس شخص کے ساتھ کیسی ہوگی جو تجھے معبود مانتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے دعوتی واقعات کا تذکرہ کیا ہے، انبیاء علیہم السلام کے دعوتی اسالیب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اپنی قوم کے ساتھ پیار و نرمی کا معاملہ کرتے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کافر باپ کو کس طرح دعوت دی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے: وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا (مریم: ۴۱-۴۷) اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر، بیشک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ میرے مہربان باپ! آپ دیکھئے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں، تو آپ میری ہی مانیں، میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا۔ میرے ابا جان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آ پڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔ کہا اچھا تم پر سلام ہو، میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا، وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔

سبحان اللہ! کیسا پیار بھرا اسلوب ہے، ہر بار یابت یابت اے ابا جان، اے ابا جان، کہہ رہے ہیں، جبکہ باپ کافر ہے، مشرک ہے، بت فروش ہے، اس کے مقابلے میں باپ کس طرح سختی سے پیش آرہا ہے، نام لے کر سزا کی دھمکی دے رہا ہے، یا بنی بھی نہیں کہا۔

نبی ﷺ کی سیرت میں بھی ایسے بہت سارے واقعات موجود ہیں جن سے دعوتی میدان میں مدعو کے ساتھ پیار ونرمی اور مشفقانہ برتاؤ کا درس ملتا ہے، اعرابی کا واقعہ مشہور ہے: جاء أعرابی فبال فی طائفة المسجد، فزجره الناس،

فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم، فلما قضى بوله أمر النبي صلى الله عليه وسلم بذنوب من ماء فأهريق عليه (صحيح البخاري: كتاب الوضوء باب صب الماء على البول في المسجد: ۲۲۱) ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس کو منع کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے اس (کے پیشاب) پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بہا دیا گیا۔ دوسری روایت میں ہے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: فانما بعثتم ميسرين، ولم تبعثوا معسرين (صحيح البخاري كتاب الوضوء، باب صب الماء على البول في المسجد: ۲۲۰) کیوں کہ تم نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو، سختی کے لئے نہیں۔ پھر نبی ﷺ نے اس اعرابی کو قریب بلا کر بڑی نرمی اور محبت سے مسجد کا مقام و مرتبہ سمجھایا۔

جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران میں ایک بدوی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے کہا: رک جا، رک جا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے (درمیان میں) مت روکو۔ اسے چھوڑ دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے چھوڑ دیا حتی کہ اس نے پیشاب کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: یہ مساجد اس طرح پیشاب یا کسی اور گندگی کے لئے نہیں ہیں، یہ تو بس اللہ تعالیٰ کے ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔ یا جو (بھی) الفاظ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے۔ (انس رضی اللہ عنہ نے) کہا: پھر آپ نے لوگوں میں سے ایک کو حکم دیا، وہ پانی کا ڈول لایا اور اسے اس پر بہا دیا۔ (صحیح مسلم: ۲۸۵)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کام وہی کر سکتا ہے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں جس چیز کا حکم دیتا ہو اور جس چیز سے منع کرتا ہے اس میں نرمی سے پیش آنے والا ہو، اپنے حکم و نہی میں عادل ہو، امر و نہی کا عالم ہو۔ (الأمر بالمعروف للخلال: ۵۰) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لا بد من هذه الثلاث العلم والرفق والصبر، العلم قبل الأمر بالمعروف والرفق معه والصبر بعده (كتاب الأمر بالمعروف: ۳۰) داعی کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں: علم، نرمی اور صبر، بھلائی کا حکم دینے سے پہلے علم، اس کے ساتھ (دعوت دیتے ہوئے) نرمی، اور اس کے بعد صبر۔

☆☆☆

تاریخ ردقادیانیت اور خدمات اہل حدیث کے سلسلہ میں معلومات کا خزانہ

ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کے قلم سے

تحریک ختم نبوت (1 تا 25 جلدیں)

تاریخ اہل حدیث (1 تا 9 جلدیں)

مکتبہ ترجمان کی مطبوعات پر 50% کی رعایت، مدارس، جامعات، مکتبات اور تاجران کتب درج ذیل پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ ترجمان

اہل حدیث منزل، 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

فون: 011-23273407، فیکس: 011-23246613

انتقام: اسباب وعلاج

تسلیم حفاظ عالی

مذہب اسلام نے حلم و بردباری، عفوودرگزر اور جودوکرم پر بھی بہت زیادہ زور دیا ہے۔ نستعلیق انداز اور خوبصورت الفاظ میں بات کرنے پر ابھارا ہے۔ غصہ، نفرت اور بغض وحسد جیسی اخلاقی قباحتوں سے روکا ہے۔ انتقامی جذبات کے اظہار کے حوالے سے ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں سے دور رہنے کی سخت تاکید کی ہے۔ ہمارے رسول ﷺ کے طرز حیات اور اسلوب زندگی میں انتقامی کارروائی سے حتی الامکان دور رہنے کی متعدد روشن مثالیں کتب حدیث وسیرت کے اندر موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے کبھی بھی اپنے ذاتی اغراض ومقاصد کی براری کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ البتہ قوانین الٰہی کی پامالی وبے حرمتی کرنے والے مجرمین کو آپ ﷺ نے ضرور کیفر کردار تک پہونچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

نبی کریم ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند کیا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہو، اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ جب اللہ کی حرمتوں کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے بدلہ لیتے تھے۔ (بخاری:6786)

مذکورہ حدیث سے پتہ چلا کہ قوانین الٰہی کی بے حرمتی کے وقت انتقامی کارروائی کرنا مطلوب ہے۔ جب کہ ذاتی معاملات میں قدرت وطاقت کے باوجود عفوودرگزر سے کام لینا شریعت کی نظر میں مستحسن عمل ہے اور انتقام پر معافی کو ترجیح دینے والا شخص اللہ تعالی کے یہاں اجروثواب کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قوت وغلبے کے باوجود فتح مکہ والے دن اپنے جانی دشمنوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا۔ حدیبیہ میں آپ نے ان ہی افراد کو معافی کا پروانہ عطا کیا جنھوں نے آپ کے خلاف سازش کی تھی۔ لبید بن عاصم یہودی سے آپ نے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اس یہودیہ عورت کو آپ ﷺ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، جس کی تکلیف آپ تادم واپسیں محسوس فرماتے رہے۔

ذیل میں انتقام کے اسباب کی وضاحت اور انتقامی کارروائی سے بچنے کی تدابیر کو بالاختصار ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انتقام کے چند اسباب:

(1) عفوودرگزر کی صفت سے عاری ہونا: عفوودرگزر کی لائق ستائش خصلت سے عاری ہونا، اس کے فضل وثواب سے ناآشنا ہونا اور بدلہ لینے کو شجاعت وبہادری کی علامت تصور کرنا انتقامی جذبات کو برانگیختہ کرنے کا زبردست محرک ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کسی پر ظلم وزیادتی کی جاتی ہے، اس کے حقوق کو ناجائز طور پر غصب کیا جاتا ہے، اس کی عزت وآبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے تو شریعت اسے بقدر ظلم بدلہ لینے کی اجازت تو دیتی ہے لیکن ساتھ ہی مصالحت کی تحسین کرتے ہوئے عفوودرگزر کرنے والے کو اجروثواب کا حق دار بھی قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (الشوری:40) اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، اور جو معاف کردے اور اصلاح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی الواقع) اللہ تعالی ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

دوسری جگہ اللہ تعالی نے عدم انتقام اور عفوودرگزر کو مومنوں کے مزاج وطبیعت کا حصہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوری:37) اور وہ غصے کے وقت (بھی) معاف کردیتے ہیں۔

(2) غصہ پر کنٹرول نہ کر پانا: اپنے غیظ وغضب پر کنٹرول نہ کرپانا انتقامی جذبات کی اشتعال انگیزی کا بنیادی سبب اور تمام طرح کی مجرمانہ حرکتوں کا پیش خیمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ سے جب ایک صحابی نے بار بار وصیت طلب کی تو آپ نے انھیں ہر بار غصہ نہ کرنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کوئی نصیحت فرما دیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا غصہ نہ کرو۔ انھوں نے کئی مرتبہ یہ سوال کیا اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ (بخاری:6116)

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا: یعنی آپ ﷺ کا قول: (لاتغضب) کا معنی یہ ہے کہ غصہ کے اسباب وعوامل سے گریز کرو اور غصہ آور چیزوں کے درپے نہ پڑو۔ (فتح الباری:10/520)

(3) انتقام کو شجاعت وبہادری کی علامت سمجھنا: شریعت اسلامیہ کی تعلیماتِ عفووتسامح کے محاسن سے ناواقف ہونے اور ان تعلیمات کے انسانی معاشرے پر مرتب ہونے والے مثبت ونفع بخش اثرات ونتائج سے نابلد ہونے کی وجہ سے بہت سارے لوگ انتقامی جذبات کی تسکین ہی کو شجاعت ورجولت اور عزت نفس متصور کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کی نظر میں بہادر وہ شخص نہیں ہے جو اپنے غیظ وغضب کی اشتعال انگیزی کی تابِ مقاومت نہ لاسکے بلکہ بہادر تو وہ ہے جو اپنے غصے پر کنٹرول کر سکے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پہلوان وہ نہیں جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے، بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو

غصہ کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول کر سکے۔(بخاری:6114)

(4) مظلوم کو انصاف نہ ملنا: کسی بھی معاشرے میں انتقامی کارروائیوں کے نشرو نمو میں عدل وانصاف کے معدوم ہونے کا زبردست رول رہا ہے۔مظلوم و بےبس افراد کو جب انصاف نہیں ملتا ہے،ان کے حقوق پر ڈاکہ زنی کی جاتی ہے،ان کی عزت وآبرو کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے تب وہ اپنے حقوق کے دفاع اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے انتقامی کارروائی کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ بالاسطور میں انتقام کے صرف چار بنیادی اسباب کو بتایا گیا ہے،ان کے علاوہ بھی مختلف اسباب وعلل ہوسکتے ہیں جن کی وجہ سے انتقامی جذبات کے اظہار میں بے اعتدالیاں پیدا ہوتی ہیں۔اب آیئے انتقامی کارروائی سے بچنے کے چند وسائل وذرائع پر غور وخوض کرتے ہیں۔

(1) عفوودرگزر کے فضل وثواب کی معرفت: جیسا کہ اوپر یہ بیان کیا گیا کہ شریعت اسلامیہ کے اندر بقدر ظلم بدلہ لینے کی اجازت تو ہے لیکن طاقت وقوت کے با وجود معاف کردینے کا رویہ نہایت ہی مستحسن ، قابل تعریف اور لائق اجر وثواب ہے۔اس لیے عفوودرگزر کے فضل وثواب کی معرفت انتقامی جذبات کی سرکشی کو روکنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(2) غصہ پی جانا: انتقامی محرکات سے بچنے میں غصہ تھوک دینے کا بڑا اہم رول ہے۔غصہ پی جانا متقین کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے۔کسی کی طرف سے بدمزگی وبدمعاملگی کی صورت میں بہ تقاضائے بشریت جب انھیں غصہ آتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں اور ان کو معاف کردیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران:134) اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے،جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقعے پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں،غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں،اللہ تعالی ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے۔

(3) شرعی نقطۂ نظر سے حقیقی بہادری کی معرفت: مذکورہ بالاسطور میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ حقیقی شجاع و بہادر وہ شخص نہیں ہے جو دوسروں کو زیر کردے،اپنی طاقت وقوت کا لوہا منوالے،کشتی میں اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دے، سب اس کی قوت وسطوت کے معترف بن جائیں،بلکہ حقیقی اور اصلی بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے سامنے اپنا ہتھیار نہ ڈالے،اس سے مغلوب نہ ہو،اس پر کنٹرول کر سکے اور اپنے انتقامی جذبات کی طغیانی وسرکشی کو لگام دے سکے۔بلاشبہ طاقت وقوت کے باوجود انتقام نہ لینا بہت بڑی خوبی ہے۔ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا طاقت وقدرت کے باوجود عفوودرگزر سے کام لینے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور انتقام پر قدرت رکھنے والے کا سب سے خوبصورت وصف حلم وبردباری ہے۔(روضۃ العقلاء:ص208)

(4) ہنسی مذاق اور استہزا و مسخرا پن سے اجتناب: ہنسی مذاق اگر شرعی حدود و قیود کے اندر ہو، بےقید و بےلگام نہ ہو تو اس کا شمار مباح کے باب میں ہوتا ہے۔لیکن اگر کوئی شخص ہنسی مذاق کے سلسلے میں شریعت کی تعیین کردہ حد کو تجاوز کرتا ہے تو یقیناً وہ ناروا اور اسلام مخالف امر کا ارتکاب کرتا ہے۔جب ایک شخص بےقید و بےلگام ہنسی مذاق میں اپنی ساری حدوں کو پار کرجاتا ہے، دوسرے کا استہزا کرتے ہوئے اس کے ساتھ تحقیر آمیز رویہ اختیار کرتا ہے،اس کے بارے میں ایسی حساس اور نازک بات کرتا ہے جو اس کی دلآزاری کا سبب بنتی ہے اور اس کے جذبات کو مجروح و مشتعل کرتی ہے تب معاشرے میں آپسی تنازع وتصادم کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور انتقامی رجحانات فروغ پانے لگتے ہیں۔اس لیے اس مہلک اخلاقی بیماری سے اجتناب کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (الحجرات:11)

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے یہ ان سے بہتر ہوں۔

(5) عفوودرگزر کی لذت کو محسوس کرنا: عفوودرگزر کے فضل وثواب کے حصول کی خواہش اور اس کی لذت وحلاوت کا احساس انتقامی عوامل ومحرکات کے سد باب کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔منصور رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے مہدی رحمہ اللہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: عفوودرگزر کی لذت،تشفی وانتقام کی لذت سے زیادہ خوشگوار اور فرحت افزا ہے۔(نھایۃ الارب للنویری:59/ 6)

(6) انتقام وعداوت کے عواقب ونتائج پر غور: انتقام،عداوت ودشمنی کو کبھی ختم ہونے نہیں دیتا،اس سے دشمن کی دشمنی میں مزید شدت پیدا ہوتی ہے،صلح وآشتی کے دروازے مسدود ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کے خطرناک اثرات ونتائج سماج کے سارے افراد پر مرتب ہوتے ہیں۔

(7) انتقام کے بعد ہونے والی شرمندگی پر غور: بلاشبہ انتقام کے بعد ندامت و پشیمانی کا مرحلہ آتا ہے۔آدمی اپنے غیظ وغضب کی تسکین وتشفی کے لیے کسی سے انتقام تو لے لیتا ہے لیکن جیسے ہی غصہ کافور ہوتا ہے اسے اپنے کرتوت پر پشیمانی کا احساس ہونے لگتا ہے۔علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے: جب بھی کسی نے اپنے نفس کے لیے بدلہ لیا بعد میں اسے ندامت و پشیمانی اٹھانی پڑی۔(مدارج السالکین:2/ 303)

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں عفوودرگزر اور حلم وبردباری کے زیور سے آراستہ کرے اور انتقامی جذبات کے اظہار میں بےاعتدالیوں سے محفوظ رکھے۔آمین

ہماری دعائیں بے اثر کیوں؟

مولانا ابومعاویہ شارب بن شاکر السلفی

برادران اسلام! موجودہ دور میں ہم اور آپ اپنی آنکھوں سے ایک طرف یہ دیکھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ پر مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور اس سے بچنے کے لئے مسلسل دعائیں کی جارہی ہیں مگر ہائے افسوس ہم مسلمانوں کی بدنصیبی وبدبختی دیکھئے کہ نہ تو ہمارے حالات بدل رہے ہیں اور نہ ہی ہماری دعائیں قبول کی جارہی ہے اور نہ ہی ہمارے اوپر سے مصیبتوں کے بادل چھٹ رہے ہیں، کبھی آپ نے سوچا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے لئے اتنی زیادہ دعائیں کی جارہی ہیں اور ہم سب خود اپنے رب سے گریہ وزاری کررہے ہیں مگر نہ تو ہماری دعائیں قبول ہورہی ہیں اور نہ ہی ہماری حالتیں بدل رہی ہیں اور نہ ہی ہم مسلمانوں کی مصیبتیں دور ہورہی ہیں، ہم مجبور ولاچار وبے بس ہیں مگر پھر بھی ہماری فریاد رسی نہیں ہورہی ہے جب کہ رب العزت کا یہ وعدہ ہے کہ میں ہر مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہوں اور اس کی مصیبتوں کو دور کردیتا ہوں، فرمان باری تعالی ہے کہ " أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ " بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کرکے سختی کو دور کردیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالی کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو۔(النمل:62) صرف یہی نہیں کہ بلکہ رب العزت نے تو اپنے کلام پاک میں جگہ جگہ پر اس بات کی ضمانت اور گارنٹی دی ہے کہ میں ہر ایک کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہوں جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے " وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ " اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔(المؤمن:60) اسی طرح سے رب العزت نے اپنے کلام پاک میں ایک اور جگہ پر قبولیت کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا " وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ " جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔(البقرۃ:186) رب کا یہ وعدہ ہے کہ وہ سب کی دعاؤں کو سنتا ہے، وہ بے کسوں ومظلوموں کی فریاد رسی کرتا ہے مگر ایک ہم بدنصیب ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں کی جارہی ہیں، قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ بے کسوں ومظلوموں کی فریاد رسی ضرور کرتا ہے مگر آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم دعائیں کرکرکے تھک جارہے ہیں مگر ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا نہیں جارہا ہے، آخر کیوں؟؟ اسی طرح سے محبوب خدا ﷺ نے یہ بھی اعلان کیا کہ اے میری امت کے لوگوں سن لو! اللہ دعاؤں کے ذریعے بھی اس امت کی مدد کرتا ہے، جیسا کہ فرمان مصطفی ﷺ ہے " إِنَّمَا يَنْصُرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعِيفِهَا بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ " بے شک اللہ اس امت کی مدد کرتا ہے ان کے کمزور لوگوں وجہ سے، ان کی دعاؤں کی وجہ سے اور ان کی نمازوں کی وجہ سے اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔(نسائی:3178 وقال الألبانیؒ: اسنادہ صحیح) مگر افسوس کہ ہماری دعاؤں میں وہ اثر وتاثیر نہیں کہ ہم مسلمانوں کی مدد کی جائے، آخر کیوں؟؟ اسی طرح سے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ " إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ أَنْ يَرْفَعَ إِلَيْهِ يَدَيْهِ فَيَرُدَّهُمَا صِفْرًا " بے شک کہ تمہارا رب حیادار اور سخی ہے، بندہ جب اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ انہیں خالی ہاتھ لوٹادے۔(ابن ماجہ:3865، ابوداود:1488، وقال الألبانیؒ: اسنادہ صحیح) ذرا اس فرمان مصطفی ﷺ پر غور کیجئے کہ اللہ ہاتھ اٹھانے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے ہاتھ کثرت سے دعا کرنے کے بعد بھی خالی کے خالی ہیں، آخر کیوں؟؟ میرے دوستو! صادق مصدوق ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ " وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ " دعاؤں سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔(ابن ماجہ:4022 وقال الألبانیؒ اسنادہ حسن) دعاؤں سے تقدیر بھی بدل جاتے ہیں یعنی دعاؤں سے حالات بھی بدل جاتے ہیں مگر پھر بھی دور حاضر کے ہم مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، آخر کیوں؟ کبھی آپ نے غور وفکر سے کام لیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہورہی ہیں؟

میرے دوستو! آج میں آپ سب کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ رب کا فرمان اور رب کا وعدہ تو بالکل ہی سچا ہے اس میں کسی بھی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے، اگر خرابی ہے تو ہمارے اعمال وکردار میں خرابی ہے، یہ ہماری برائیاں اور ہماری کوتاہیاں ہی ہیں کہ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں ہونے دے رہی ہیں، امام ابن قیمؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ " دعائیں اور تعوذات کی حیثیت اسلحہ کی طرح ہے اور اسلحے کی کارکردگی اسلحہ چلانے والے پر منحصر ہوتی ہے، صرف اسلحے کی تیزی کارگر ثابت نہیں ہوتی ہے، چنانچہ اسلحہ مکمل اور ہر قسم کے عیب سے پاک ہو اور اسلحہ چلانے والے کے بازو میں قوت ہو اور درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو دشمن پر ضرب کاری لگتی ہے اور اگر ان تینوں اشیاء میں سے کوئی ایک ناپید ہو تو نشانہ متاثر ہوتا ہے"۔(الداء والدواء:ص35) بے شک دعا مومن کے لئے ایک ہتھیار ہے۔ اگر ہم سب یہ

چاہتے ہیں کہ ہم سب کی دعائیں قبول کی جائیں تو سب سے پہلے ہم سب اپنے آپ کو بدلیں، پکے وسچے مومن بندے بن جائیں اللہ ہماری حالتوں کو بدل دے گا، اب آیئے میں آپ لوگوں کے سامنے میں ان اسباب کو بیان کر دیتا ہوں جو ہم مسلمانوں کی دعاؤں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے:

(1) دعوت دین سے انحراف: برادران اسلام!! آج ہماری دعائیں بے اثر ہیں اور ہماری دعاؤں کو جو شرف قبولیت سے نوازا نہیں جا رہا ہے تو اس کی سب سے بڑی اور پہلی وجہ یہ ہے کہ ایک فریضہ جو اللہ نے ہم مسلمانوں کے کندھوں پر رکھا تھا اس کو ہم سب نے اتار پھینکا ہے اور جب ہم مسلمانوں نے اس فریضے سے جی چرانا شروع کر دیا تو تبھی سے رب العزت نے ہم پر اغیار کو مسلط کر کے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے، اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسا کونسا فریضہ ہے جس کی وجہ سے ہماری یہ نوبت ہوگئی ہے کہ نہ تو ہماری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور نہ ہی ہماری مدد کی جا رہی ہے تو وہ فریضہ دعوت دین کا فریضہ ہے، وہ فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا فریضہ ہے، وہ فریضہ انبیائی مشن دعوت توحید کو عام کرنے کا فریضہ ہے، افسوس صد افسوس کہ آج ہم مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اللہ کے پیغام کو عام کرنا چھوڑ دیا ہے، ہم نے اللہ کے دین کو پھیلانا چھوڑ دیا اللہ نے ہماری دعاؤں کو قبول کرنا چھوڑ دیا، ہم نے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے منہ پھیرا تو اللہ نے ہماری دعاؤں کو ہمارے منہ پر مار دیا، اور یاد رکھ لیجئے جب تک امت مسلمہ اجتماعی طور پر دین کو عام کرنے کا فریضہ ادا نہیں کرے گی اور جب تک یہ امت مسلمہ انبیائی مشن کو لے کر نہیں اٹھے گی تب تک نہ تو ہماری دعائیں قبول کی جائیں گی اور نہ ہی یہ مصیبت کے بادل ہم سے چھٹیں گے، جیسا کہ محبوب خدا ﷺ کا یہ اعلان ہے "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ " اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور ہر حال میں لوگوں کو برائی سے روکتے رہنا ورنہ ایسا ہوگا کہ اللہ تعالی تم پر اپنا عذاب بھیجے گا، پھر تو تم اللہ سے دعائیں مانگو گے مگر تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (ترمذی: 2169، وقال الألبانیؒ: اسنادہ حسن) اسی طرح سے ایک دوسری روایت کے اندر اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" مُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابَ لَكُمْ " تم نیکی کا حکم دو اور لوگوں کو برائی سے روکو قبل اس کے کہ تم دعائیں مانگو اور تمہاری دعاؤں کو شرف قبولیت نہ بخشا جائے۔ (ابن ماجہ: 4004، وقال الألبانیؒ اسنادہ حسن) میرے دوستو! ذرا سوچئے کہ آج ہمارے ساتھ تو یہی ہو رہا ہے کہ ہم سب مل کر اپنے مظلوم مسلم بھائیوں اور بہنوں کے لئے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں مگر پھر بھی ہماری دعائیں بے اثر ہیں اور ایسا اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم سب نے دعوت دین سے منہ موڑ لیا ہے، اس لئے میرے دوستو! اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو قبول کیا جائے اور ہم مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے تو پھر ہم سب اللہ کے دین کے داعی بن جائیں کیونکہ اللہ نے یہ وعدہ کر رکھا ہے " وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ " جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ (الحج: 40)

(2) حرام کمائی: جن اسباب کی وجہ سے ہماری دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں اور جو چیزیں ہماری دعاؤں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ان میں سے دوسری ایک اور اہم چیز حرام کمائی ہے، آج مسلمانوں کی اکثریت حرام کمائی کر رہی ہے، آج کل کے مسلمانوں نے حرام اور حلال کی تمیز کو ختم کر دیا ہے، ہر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس پیسہ ہو، مال و دولت ہو چاہے وہ حرام کمائی سے ہی کیوں نہ ہو، آج کا مسلمان جب حرام کمائی کر رہا ہے اور پھر مزید یہ کہ اسی حرام کمائی سے وہ اپنی زندگی بھی گذر وبسر کر رہا ہے تو پھر دعائیں کیسے قبول ہوں گی کیونکہ دعا کی قبولیت میں سب سے بڑی چیز جو رکاوٹ ہے وہ حرام کمائی ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو!" إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا " بے شک اللہ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے،" وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ "اور بے شک کہ اللہ تعالی نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ رب العزت نے رسولوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ " اے پیغمبرو! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں۔ (المؤمنون: 51) اسی طرح سے یہی حکم رب العزت نے مومنوں کو دیا کہ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ " اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، پیو۔ (البقرة: 172) پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے انسان کا تذکرہ کیا جو طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں، اس کے جسم و کپڑے غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ " يَا رَبِّ، يَا رَبِّ "اے میرے رب! اے میرے رب! یعنی کہ وہ روتے اور گڑگڑاتے ہوئے دعائیں کر رہا ہے اور مسافر کی دعائیں قبول بھی کی جاتی ہیں مگر اس انسان کی حالت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ " اس کا کھانا بھی حرام کا ہے، اس کا پینا بھی حرام کا ہے، اس کا لباس بھی حرام کا ہے اور اس کی پرورش بھی حرام غذا اور حرام کمائی سے ہوئی ہے تو بھلا بتلاؤ کہ " فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ "ایسے انسان کی دعا کیسے قبول کی جائے۔ (مسلم: 1015) ذرا سوچئے کہ ایک مسافر جس کی دعاؤں کو اللہ رد نہیں کرتا ہے مگر حرام کمائی کی وجہ سے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے

تو بھلا سوچئے کہ اگر ہم حرام کمائی کریں گے اور پھر دعائیں کریں گے کہ اے اللہ تو مظلوم مسلمانوں کی مدد فرما تو اللہ ہماری دعاؤں کو کیسے قبول کرے گا، اسی لئے ہم سب اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہم سب کی انفرادی واجتماعی دعائیں قبول کی جائیں تو پھر حرام کمائی کو چھوڑ کر حلال کو اپنا لیجئے، اور امام ابن قیمؒ کی یہ بات آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ حرام کھانے سے دعا میں قوت ختم ہوجاتی ہے اور دعا میں کمزوری آجاتی ہے۔(اسلام سوال وجواب: جواب نمبر:13506، ویب سائٹ شیخ محمد صالح المنجد)

(3) خوشحالی کے دنوں میں دعا نہ کرنا: جن اسباب کی وجہ سے ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک تیسری بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کو اس وقت یاد کرتے ہیں جب ہمارے اوپر کوئی مصیبت وپریشانی نازل ہوتی ہے، جب ہم پریشان وبدحال اور بیمار ہوجاتے ہیں تو اپنے رب سے منتیں کرتے ہوئے روتے اور گڑگڑاتے ہیں جب کہ خوشحالی اور ایام صحت میں کبھی بھی رب کے حضور نہ تو ہم روتے ہیں اور نہ ہی گڑگڑاتے ہیں، ہماری اسی بری عادت کے بارے میں رب العزت نے فرمایا" وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ " اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹادیتے ہیں تو وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا، ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لئے اسی طرح خوشنما بنادیا گیا ہے۔(یونس:12) کسی عربی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ:

نَحْنُ نَدْعُوْ الإلٰهَ فِيْ كُلِّ كَرْبٍ   ثُمَّ نَنْسَاهُ عِنْدَ كَشْفِ الْكُرُوْبِ

یعنی کہ ہم اپنے رب سے ہر مصیبت میں دعا تو کرتے ہیں مگر جیسے ہی ہم سے مصیبت چھٹ جاتی ہے تو ہم اپنے رب کو بھول جاتے ہیں۔(حیاۃ السلف بین القول والعمل:1/504) ہم انسانوں کی اسی بری عادت وخصلت کے بارے میں ایک اور جگہ پر رب العزت نے فرمایا" وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ" اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب اسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔(فصلت:51) جیسا ہمارے رب نے کہا ہے آج ہم ویسا ہی کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری دعائیں بے اثر ہیں، اس لئے میرے دوستو! اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا جائے تو پھر آپ ہمیشہ اللہ سے دعائیں کرتے رہا کریں، ہم خوشحالی اور ایام صحت میں اپنے رب کو نہ بھولیں، ہمارا رب ہمیں بدحالی اور ایام مرض میں نہیں بھولے گا جیسا فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے کہ " مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكُرَبِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ " جو انسان یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سختی وپریشانی اور غم وتکلیف کے وقت اس کی دعاؤں کو قبول کرے تو اسے چاہئے کہ خوشحالی کے دنوں میں وہ بکثرت دعائیں کیا کرے۔(ترمذی:3382، الصحیحۃ:593) اس لئے اپنے رب سے ہمیشہ دعائیں کرتے رہا کرو اور ہمیشہ بالخصوص خوشحالی اور آسودگی، چین وآرام اور امن وسکون کے دنوں میں اپنے رب سے تعلق جوڑے رکھو وہ تمہیں تمہاری پریشانی وبدحالی کے دنوں میں یاد رکھے گا جیسا کہ فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے کہ " تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ" تم اللہ کو خوشحالی میں یاد رکھو وہ تمہیں تکلیف کے وقت یاد رکھے گا۔(احمد:2803، صحیح الجامع الصغیر للألبانی:2961)

(4) ہم نیکیوں میں سست اور گناہوں میں چست ہیں: آج ہماری دعائیں جن اسباب کی وجہ سے مردود ہورہی ہیں ان میں سے ایک چوتھی سب سے بڑی وجہ یہ کہ آج ہم مسلمانوں کی اکثریت نیکیوں کو انجام دینے میں سست اور گناہوں کو انجام دینے میں چست نظر آتے ہیں، آج امت مسلمہ کی اکثریت نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے، آج کی مسلم قوم یہ چاہتی ہے کہ نہ وہ توحید کو مانے، نہ نماز پڑھے، نہ روزہ رکھے مگر اللہ ان کی ہر دعا کو قبول کرلے، مسلم قوم یہ چاہتی ہے کہ ہم جیسے بھی رہیں مگر اللہ ہماری ہر خواہشوں کو پوری کردے، اگر آپ بھی ایسا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھ لیجئے کہ جب تک ہم نیکیوں میں سست اور گناہوں میں چست رہیں گے تب تک ہماری کوئی دعا قبول نہ کی جائے گی کیونکہ رب العزت نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میں تو دعاؤں کو قبول کروں گا بشرطیکہ تم میری باتوں کو مانو اور میرے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گذارو، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے " وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ " جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔(البقرۃ:186) ذرا غور سے رب العزت کا فرمان سنئے کہ رب العزت نے یہ کہا کہ میں سب کی پکار کو سنتا ہوں اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں تو اگر ہم اللہ کی بات ہی نہیں مانیں گے تو پھر اللہ ہماری دعاؤں کو کیسے شرف قبولیت سے نوازے گا، اسی لئے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ ہماری ہر دعا کو سن لے تو پھر ہم سب گناہوں کو چھوڑ دیں اور نیکیوں کی طرف آجائیں، جتنی جلدی ہم گناہوں کو چھوڑ کر نیکیوں کے طرف آئیں گے اتنی ہی جلدی ہماری دعائیں قبول کی جائیں گی، اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہ آرہا ہو تو پھر ذرا قرآن اٹھا کر زکریا علیہ الصلاۃ

والسلام کا واقعہ پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ رب العزت نے کیا بیان فرمایا ہے، اللہ رب العزت نے وہاں پر یہ واضح طور پر پیغام دے دیا ہے کہ ہم نے زکریا کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور انہیں ایک پیارا بیٹا عطا کیا تو یہ اس لئے کہ وہ نیکیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے، سنئے فرمان باری تعالی کو " فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ " ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحیی (علیہ السلام) عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لئے درست کر دیا، یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ (الأنبیاء:90) اس لئے اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا جائے تو پھر ہم سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلیں اور آج سے ہی اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں اور نیکیوں کو انجام دینے میں منہمک ہو جائیں اور اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کے مطابق گذارنا شروع کردیں ورنہ ہم دعائیں کرتے کرتے تھک جائیں گے مگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہوں گی کیونکہ یہ ہمارے برے اعمال اور ہمارے گناہ ہی تو ہیں جو دعا کی قبولیت میں رکاوٹ پیدا کر رہی ہیں، اس بارے میں ابراہیم بن ادہمؒ کا ایک حقیقت پر مبنی قول نقل کرتا ہوں کہ ان سے لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم بن ادہمؒ اللہ نے قرآن مجید کے اندر یہ وعدہ کیا ہے کہ "أُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" تم مجھے پکارو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ (غافر:60) مگر " وَنَحْنُ نَدْعُوهُ مُنْذُ دَهْرٍ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَنَا " ہم ایک زمانے سے دعا کر رہے ہیں مگر ہماری دعائیں قبول ہی نہیں ہو رہی ہیں، آخر کیوں؟ تو ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا کہ " مَاتَتْ قُلُوبُكُمْ فِي عَشَرَةِ أَشْيَاءَ " تمہاری دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے دل دس چیزوں اور دس باتوں کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں:

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ "عَرَفْتُمُ اللَّهَ وَلَمْ تُؤَدُّوا حَقَّهُ" تم نے اللہ تعالی کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہ کیا۔

(2) دوسری بات یہ کہ "قَرَأْتُمْ كِتَابَ اللَّهِ وَلَمْ تَعْمَلُوا بِهِ" تم قرآن مجید کو پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے ہو۔

(3) تیسری بات یہ ہے کہ "اِدَّعَيْتُمْ حُبَّ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكْتُمْ سُنَّتَهُ" تم آپ ﷺ سے محبت کا دعوی تو کرتے ہو مگر ان کی سنتوں پر عمل نہیں کرتے ہو۔

(4) چوتھی بات یہ ہے کہ "اِدَّعَيْتُمْ عَدَاوَةَ الشَّيْطَانِ وَوَافَقْتُمُوهُ" تم شیطان کو اپنا دشمن تو سمجھتے ہو مگر تم نے اس شیطان کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔

(5) پانچویں بات یہ ہے کہ "قُلْتُمْ نُحِبُّ الجَنَّةَ فَلَمْ تَعْمَلُوا لَهَا" تم جنت سے محبت کا دعوی تو کرتے ہو مگر اس کے حصول کیلئے نیک اعمال نہیں بجالاتے ہو۔

(6) چھٹی بات یہ ہے کہ "قُلْتُمْ نَخَافُ النَّارَ وَرَهَنْتُمْ نُفُوسَكُمْ بِهَا" تم یہ تو کہتے ہو کہ ہمیں جہنم سے بہت ڈر لگتا ہے مگر گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتے نہیں ہو۔

(7) ساتویں بات یہ ہے کہ " قُلْتُمْ إِنَّ الْمَوْتَ حَقٌّ وَلَمْ تَسْتَعِدُّوا لَهُ " تم یہ مانتے ہو کہ موت برحق ہے مگر اس کے لئے تم کوئی تیاری نہیں کرتے ہو۔

(8) آٹھویں بات یہ ہے کہ "اِشْتَغَلْتُمْ بِعُيُوبِ إِخْوَانِكُمْ وَنَبَذْتُمْ عُيُوبَكُمْ" تم دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑے تو رہتے ہو مگر اپنے عیوب پر نظر نہیں ڈالتے ہو۔ (9) نویں بات یہ ہے کہ " أَكَلْتُمْ نِعْمَةَ رَبِّكُمْ وَلَمْ تَشْكُرُوهَا " تم اللہ کا رزق کھاتے ہو مگر اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے ہو۔

(10) اور دسویں بات یہ ہے کہ " دَفَنْتُمْ مَوْتَاكُمْ وَلَمْ تَعْتَبِرُوا بِهِمْ " تم سب اپنے ہاتھوں سے اپنے مردوں کو دفن تو کرتے ہو مگر اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہو۔ (حياة السلف بين القول والعمل:1/504، حلية الأولياء وطبقات الاصفياء:8/15) کسی عربی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے:

كَيْفَ نَرْجُوْ إِجَابَةَ الدُّعَاءِ   وَقَدْ سَدَدْنَا طَرِيْقَهَا بِالذُّنُوْبِ یعنی کہ ہم اپنے دعاؤں کی قبولیت کی امید کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ہم نیا اپنے گناہوں سے دعاؤں کے قبول ہونے کے راستوں کو بند کر رکھا ہے۔ (حياة السلف بين القول والعمل:1/504) ☆☆

جماعتی خبریں

صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کے سابق خازن جناب انعام الحق صاحب کا انتقال پُرملال: نہایت ہی رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ کے سابق خازن جناب انعام الحق صاحب کا مورخہ 23/نومبر/2023ء کو علی الصباح اپنے آبائی وطن رانچی میں بعمر تقریبا 70 سال انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جناب انعام الحق صاحب کو اللہ تعالی نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ بڑے خلیق وملنسار، ہمدرد، متواضع، مخلص اور اچھے انسان تھے۔ جماعتی وملی اور سماجی کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے جنازے کی نماز بعد نماز مغرب ادا کی گئی۔ پسماندگان میں ایک صاحب زادے اور چار بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں سے درگذر فرمائے، دینی وجماعتی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، جملہ پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

(شریک غم: اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

عذاب قبر سے بچاؤ کے طریقے

ابوعدنان سعید الرحمٰن نور العین سنابلی

عالم برزخ میں قبر کی آسائش اور اس کا عذاب برحق ہے۔ اس سے قبل کے دو مضامین میں قبر کی آسائش وعذاب اور اس کے اسباب کا قدرے تفصیل سے تذکرہ ہوا۔ جب عذاب قبر کے چند اسباب ہیں تو ظاہری بات ہے کہ ان سے بچاؤ کے بھی طریقے بھی ہوں گے، چنانچہ جب ہم قرآن و حدیث میں عذاب قبر سے بچاؤ طریقے تلاش کرتے ہیں تو ہمیں معلوم چلتا ہے کہ قرآن پاک واحادیث مبارکہ میں قبر کے عذاب سے بچاؤ کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں۔ اگر ایک انسان ان اسباب وذرائع کو ملحوظ رکھتا ہے اور جو مخصوص اعمال وارد ہیں ان کی انجام دہی کرتا ہے تو ان شاءاللہ وہ شخص قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

عذاب قبر سے بچاؤ کا سب سے طریقہ یہ ہے کہ ہم نیکی کریں، شرعی احکامات کے مطابق زندگی گزاریں، اپنے شب و روز کو دینی احکامات کے مطابق ڈھالیں، فواحش ومنکرات، معاصی وسیئات اور گناہوں سے خود کو دور رکھیں۔ اگر شرعی احکامات کے مطابق ہم نے زندگی گزاری اور ہم نے ایمان کی حالت میں وفات پائی تو اس دنیا میں بھی جب تک زندہ رہیں گے باعزت زندگی گزاریں گے اور عالم برزخ اور اخروی زندگی میں بھی کامیاب ہوں گے جیسا کہ آسائش قبر اور اس کے عذاب کے تعلق سے وارد حدیثوں میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''مومن اور نیک انسان کی روح بڑے آرام سے قبض کی جاتی ہے اور قبر میں اس کے لئے جنت کے بچھونے بچھا دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں''۔

نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے: ''يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ'' (سورۃ ابراھیم/۲۷) یعنی ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس کی تفسیر براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''المُسْلِمُ إذا سُئِلَ في القَبْرِ، يَشْهَدُ انْ لا إلهَ إلّا اللّهُ وانَّ مُحَمَّدًا رَسولُ اللّهِ، فَذلكَ قَوْلُهُ: [يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ] [إبراهيم: 27]'' یعنی موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان ''يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا'' کا۔ (صحیح بخاری/1369، صحیح مسلم/2201)

اس کے برعکس کافر ومنافق کی مصیبتیں قبر ہی سے شروع ہوجاتی ہیں۔ قبر اسے دبوچتی ہے، فرشتے اس پر گھن برساتے ہیں اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نہایت ہی زہریلے اور ڈراؤنے سانپ بھی اسے ڈنک مارتے ہیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ نیکیوں کا خوگر بنے، برائیوں سے بچے اور شرعی احکامات کو اپنے ماتھے کا جھومر بنالے، اس کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا سب کچھ شریعت کے موافق ہوجائے تاکہ وہ قبر کے عذاب سے بچ سکے اور آخرت میں بھی کامیابی سے شادکام ہوسکے۔

دوسری بات شریعت اسلامیہ نے جن فواحش ومنکرات اور معاصی وسیئات کو اسباب عذاب قبر قرار دیا ہے، ان سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے جیسے پیشاب کے چھینٹے سے بچا جائے، چغل خوری وغیرہ سے پرہیز کیا جائے، شرک کی غلاظتوں سے اپنے دامن کو بچایا جائے، نفاق سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے، بلاوضو نماز ہرگز نہ پڑھی جائے، مظلوموں کی فریاد رسی کی جائے، مردے پر نوحہ گری نہ کی جائے اور سود، زناکاری، قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور اس جیسے سبھی گناہوں سے دوری بنا کر رکھی جائے تاکہ ہم عذاب قبر سے پرہیز کرسکیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہم موت کو بکثرت یاد کریں۔ دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی جب ہمارے ذہن ودماغ میں موجود ہوگی تو ہم دنیا سے دل نہیں لگائیں گے اور مادیت کے پیچھے شتر بے مہار بنے نہیں بھاگیں گے بلکہ ہم عبادات کی انجام دہی کریں گے، نیکیوں کو انجام دے کر رب تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں گے، برائیوں اور بے حیائیوں سے پرہیز کریں گے اور اگر کبھی دانستہ یا نادانستہ خطاؤں کے صدور ہونے پر توبہ کا دامن تھامیں گے، اللہ کے سامنے روئیں گے، گڑگڑائیں گے اور اپنی سیہ کاروں پر ندامت کے آنسو بہائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے موت کو بکثرت یاد کرنے کی تعلیم دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے: ''أكثروا ذكرَ هاذمِ اللَّذّات يعني الموتَ''، یعنی خواہشات کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو بکثرت یاد کیا کرو۔ (سنن ترمذی/2307، سنن ابن ماجہ/2458، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ان کے علاوہ شریعت میں کچھ مخصوص اعمال ایسے بھی وارد ہیں جنہیں عذاب قبر

سے بچاؤ کے موثر ذرائع اور اسباب بتائے گئے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) سورہ ملک کی تلاوت:

یوں تو ایک مومن کی شان ہوتی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت سے اپنی زبان کو تر رکھتا ہے کیونکہ قرآن کریم کے ایک حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور یہ عمل سراپا خیر و برکت اور نیکی و بھلائی ہے۔ مزید برآں، اگر کسی کو قرآن کریم کی تلاوت میں دقت و پریشانی کا سامنا ہوتا ہے تو ایسے انسان کو دہری نیکی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں موجود ایک سو چودہ سورتیں ہمارے ایمان کا حصہ ہیں، ان کے جملہ حروف پر ایمان لانا واجب وضروری ہے اور ہمارا یہ بھی ایمان وایقان ہے کہ یہ دنیا کے سب سے بہترین کلام ہیں، اس جیسا بابرکت اور حکمت ودانائی پر مشتمل کلام نہیں ہے لیکن ہمیں یہ بھی پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخصوص سورتوں کو مخصوص خاصیتیں اور فضیلتیں بخشی ہیں۔ ان میں ایک سورہ ملک کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اسے پڑھے بغیر سویا نہیں کرتے تھے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے سنن ترمذی/2892 میں موجود ہے اور اسے شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے، البتہ اسے امام ابن ابی حاتم اور امام دارقطنی نے معلول قرار دیا ہے۔ (العلل للرازی/1686، العلل للدارقطنی ۱۳/۳۴۰)

اس سورت کی فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کے لئے سفارش کرے گی، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِنّ سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُونَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ''، یعنی قرآن پاک میں ایک ایسی سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں۔ وہ اپنے پڑھنے والے کے حق میں سفارش کرتی رہی حتی کہ اسے بخش دیا گیا اور وہ سورہ ''تبارک الذی بیدہ الملک'' ہے۔ (سنن ابوداود/1400، سنن ترمذی/2891، سنن ابن ماجہ/3786، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ ۲۲/۲۷ میں اور شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اس سورت کی ایک فضیلت یہ وارد ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی تلاوت پر ہمیشگی برتتا ہے تو وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَن قَرَأَ (تبارك الذي بيده الملك) كل لَيْلَة مَنعه الله بهَا من عَذَاب الْقَبْر، وَكُنّا فِي عهد رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم نسميها الْمَانِعَة، وَإِنّهَا فِي كتاب الله سُورَة من قَرَأَ بهَا فِي كل لَيْلَة فقد أكثر وأطاب'، یعنی جو شخص سورۃ الملک ہر رات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس سے عذاب قبر کو روک لے گا، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسے مانعہ (یعنی روکنے والی) کہتے تھے، اور یہ قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے جو اسے ہر رات پڑھ لے تو وہ بہت زیادہ اور اچھا عمل کرتا ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی/10547، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی/711، المخلصیات لابی طاہر المخلص/228، شیخ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترہیب/1475 میں حسن قرار دیا ہے۔)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انسان کے پاس اس کی قبر میں اس کے پاؤں کی طرف سے آیا جائے گا تو اس کے پاؤں کہیں گے کہ میری طرف سے تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ یہ سورہ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ پھر اس کے پیٹ اور سینے کی طرف سے آیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ میری طرف سے تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ وہ میرے ذریعہ سورہ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ پھر اس کے سر کی طرف سے آنے کی کوشش ہوگی تو سر کہے گا کہ میری طرف سے آنے کا راستہ نہیں ہے کیونکہ میرے ذریعہ یہ سورہ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مانعہ (روکنے والی) ہے جو عذاب قبر کو روکتی ہے۔ یہ تورات میں بھی سورہ ملک کے نام سے موجود ہے، اگر اسے کسی نے رات میں پڑھ لیا تو اس نے بہت زیادہ اور اچھا عمل کیا۔ (المعجم الکبیر/8651، مستدرک حاکم/3839، حلیۃ الاولیاء/۷/۲۴۸، امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح الترغیب والترہیب/1475 میں اور شیخ شعیب ارناؤوط نے صحیح ابن حبان کی تحقیق ۳/۸۶ میں حسن قرار دیا ہے اور شیخ ارناؤوط نے کہا ہے: ''مِثلُ هذا لا يُقالُ مِن قِبَلِ الرَّأيِ، فيَكونُ له حُكمُ الرَّفعِ''، یعنی اس طرح کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی ہے، چنانچہ اسے مرفوع کا حکم حاصل ہوگا۔ (صحیح ابن حبان ۳/۶۸)

المعجم الکبیر/8650 کی روایت میں صراحت ہے کہ پاؤں، سینہ اور سر کے پاس آنے والے عذاب کے فرشتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سورۃُ تبارَكَ هي المانِعةُ مِن عذابِ القَبرِ''، یعنی سورہ تبارک قبر سے روکنے والی ہے۔ (طبقات المحدثین لابی الشیخ ۴/۱۱۱، شیخ البانی نے صحیح الجامع/۳۶۴۳ میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح ابن حبان کی تحقیق ۳/۶۸ میں حسن قرار دیا ہے۔)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

کسی صحابی نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کر دیا، اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اتنے میں اسے اس قبر کے اندر ایک انسان سورہ ملک کی تلاوت کرتے ہوئے سنائی دیا جس نے پوری سورت ختم کی۔ وہ شخص رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اپنا خیمہ غلطی سے ایک قبر پر نصب کر دیا، مجھے

نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی قبر ہے تو سنتا ہوں کہ قبر کے اندر سے ایک انسان نے سورہ ملک کی مکمل تلاوت کی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ مانعہ (روکنے والی ہے) یہ نجات دہندہ ہے جو قبر کے عذاب سے نجات دے گی''۔ (سنن ترمذی/2890، شعب الایمان/2510، حلیۃ الاولیاء ۳/۸۱، اس حدیث کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ اس میں ''ھی المانعة...'' والا ٹکڑا ثابت ہے۔)

بہر حال، ان روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک مسلمان کو رات میں سورہ ملک کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ عظیم سورت اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

(۲) جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات:

جمعہ کا دن سید الایام ہے اور یہ ہفتہ کی عید ہے۔ اس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اسی روز قیامت بھی قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو بے پناہ فضیلتوں کا حامل بنایا ہے۔ انہی فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے نجات عطا فرمائے گا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ'' یعنی جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں وفات پاتا ہے تو اللہ اسے قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔ (سنن ترمذی/1074، مسند احمد/6590، شیخ البانی نے اسے مشکوٰۃ المصابیح/1367 میں حسن قرار دیا ہے۔)

(۳) سرحد کی پہرے داری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرنا:

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ'' یعنی ایک دن اور ایک رات سرحد کی پہرے داری ایک مہینہ روزہ رکھنے اور قیام کرنے سے بہتر ہے۔ اگر انسان اسی حالت میں وفات پا جائے گا تو اسے ان اعمال کا ثواب ملتا رہے گا جنہیں وہ انجام دیا کرتا تھا، اس کے لئے اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور وہ قبر میں سوالات کرکے امتحان لینے والے سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم/1913)

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ، إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ'' یعنی ہر میت کے عمل کا سلسلہ بند کر دیا جاتا ہے سوائے اس شخص کے جو اللہ کے راستے میں سرحد کی پاسبانی کرتے ہوئے مرے، تو اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھایا جاتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے مامون رہے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا: مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (سنن ابوداود/2500، سنن ترمذی/1612، شیخ البانی نے اسے صحیح ترمذی میں صحیح قرار دیا ہے۔)

(۴) اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرنا:

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''للشهيدِ عندَ اللَّهِ ستُّ خصالٍ: يُغفرُ له في أوَّلِ دَفعةٍ ويَرى مقعدَه منَ الجنَّةِ ويُجارُ مِن عذابِ القبرِ ويأمنُ منَ الفزعِ الأكبرِ ويُوضعُ علَى رأسِه تاجُ الوقارِ الياقوتةُ مِنها خيرٌ منَ الدُّنيا وما فيها ويزوَّجُ اثنتَينِ وسبعينَ زَوجةً منَ الحورِ العينِ، ويُشفَّعُ في سبعينَ مِن أقاربِه'' یعنی اللہ کے نزدیک شہید کے لیے چھ انعامات ہیں، (۱) خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، (۲) وہ جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے، (۳) عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، (۴) ''فزع اکبر (عظیم گھبراہٹ والے دن) سے مامون رہے گا، (۵) اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا اور اس کی ساری چیزوں سے بہتر ہے، (۶) بہتر (۷۲) جنتی حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی، اور اس کے ستر رشتہ داروں کے سلسلے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (سنن ترمذی/1636، سنن ابن ماجہ/2799، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۵) پیٹ کی بیماری سے وفات پانے والا:

عذاب قبر سے محفوظ رہنے والے خوش نصیبوں میں ایک وہ انسان بھی ہوگا جو پیٹ کے مرض سے وفات پایا ہوگا۔ عبداللہ بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''كُنْتُ جَالِسًا وَسُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ وَخَالِدُ بْنُ عُرْفُطَةَ، فَذَكَرُوا أَنَّ رَجُلًا تُوُفِّيَ مَاتَ بِبَطْنِهِ، فَإِذَا هُمَا يَشْتَهِيَانِ أَنْ يَكُونَا شُهَدَاءَ جَنَازَتِهِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ يَقْتُلْهُ بَطْنُهُ، فَلَنْ يُعَذَّبَ فِي قَبْرِهِ'' فَقَالَ الْآخَرُ: بَلَى'' یعنی میں سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو پیٹ کی تکلیف سے فوت ہو گیا تھا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک بزرگ نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے جنازے میں شریک ہوں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا: ''جو آدمی پیٹ کی تکلیف سے مر جائے، اسے عذاب قبر نہیں ہوگا؟'' تو دوسرے نے کہا: کیوں نہیں! (آپ نے ضرور فرمایا تھا)۔ (سنن نسائی/2025، شیخ البانی نے صحیح نسائی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

(۶) عذاب قبر سے بکثرت پناہ طلب کریں:

اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ عذاب قبر سے بکثرت پناہ طلب

کیا کرتے تھے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ''یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔(صحیح بخاری/1370)

اس کے علاوہ متعدد حدیثوں میں وارد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو تشہد اخیر میں چار چیزوں سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ: (قُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ یعنی رسول اللہ ﷺ ان (سب صحابہ) کو اس دعا کی تعلیم اسی طرح دیتے تھے، جس طرح انہیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ سب کہو: ''اے اللہ! ہم جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔''(صحیح مسلم/590)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِذَا تَشَهَّدَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ اَرْبَعٍ، يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي اَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ ''یعنی جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ لے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے، اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے اور زندگی اور موت میں آزمائش سے اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔(صحیح مسلم/588)

اللہ کے رسول ﷺ عمومی حالات میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عذاب قبر سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم کرتے تھے جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب صحابہ کرام کے ساتھ قبرستان میں بیٹھے ہوئے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب ہو کر دو یا تین مرتبہ کہا تھا: ''استعيذوا باللّٰهِ من عذابِ القبرِ ''یعنی قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔(سنن ابوداود/4735، نسائی/2001، ابن ماجہ/1594، شیخ البانی نے اسے صحیح ابوداود میں صحیح قرار دیا ہے۔)

اسی طرح زید بن ثابت کی روایت میں بھی ہے جس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا خچر بدکا تھا اور آپ نے بتایا تھا کہ ان قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا تھا تو اس موقع سے بھی مسلمانوں کو عذاب قبر سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی تھی اور فرمایا تھا: ''فَقَالَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ''یعنی آپ ﷺ نے فرمایا: ''قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' سب نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔(صحیح مسلم/2867)

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر سے ہمیں اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم چاہے جس قدر نیکیوں کو انجام دیں لیکن انسان اور بتقاضائے بشریت ہم سے غلطیوں کا صدور ہو ہی جاتا ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کریں اور اس کی پناہ کے خواستگار ہوں کیونکہ اللہ کے فضل و رحمت کے بغیر کوئی بھی شخص عذاب قبر اور جہنم کے عذاب سے بچ نہیں سکتا ہے۔

(۷) ہم مدفون کی ثبات قدمی اور مغفرت کے لئے دعا کریں:

ایک مسلمان اپنے مسلم بھائیوں کے لئے ہمیشہ خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں وفات شدگان مسلموں کے لئے دعائیں کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ''وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ''(سورۃ الحشر/10) یعنی ''اور ان کے لئے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔''

اس جذبہ کے تحت جب ایک مسلمان وفات پا جاتا ہے تو سارے مسلمان اس کی ثبات قدمی اور مغفرت و بخشش کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ نیز اللہ کے رسول ﷺ نے اس امر کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وسلَّمَ، إذا فرَغَ مِن دفنِ الميِّتِ وقفَ عليهِ، فقالَ: استغفِروا لاخيكُم، وسَلوا لَهُ التَّثبيتَ، فإنَّهُ الآنَ يُسألُ یعنی اللہ کے نبی ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس جگہ کھڑا ہوتے اور کہا کرتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے بخشش طلب کرو، اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔(سنن ابوداود/3221، شیخ البانی نے صحیح ابوداود میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

☆☆☆

فضائل اخلاق

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

کتاب اللہ کی شہادت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت کے لیے فضائل ومکارم اخلاق کا بہترین نمونہ تھے۔ جس وجود مبارک کو پوری اولاد آدم کے لیے قیامت تک اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا، اس کی حیثیت اس کے سوا ہو بھی کیا سکتی تھی؟ اس کا پہلا شاہد قرآن پاک ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:۴) (اے پیغمبر) تم اعلیٰ اخلاق پر پیدا ہوئے۔ فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَھُمۡ وَلَوۡکُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ (آل عمران:۱۵۹) (اے پیغمبر) خدا کی یہ بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے اس قدر نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے ہٹ جاتے (یعنی ان کے دل تمہاری طرف اس طرح نہ کھنچتے جس طرح اب بے اختیار کھنچ رہے ہیں) لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (التوبہ:۱۲۸) (مسلمانو) تمہارے پاس اللہ کا رسول آگیا ہے، جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج وکلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا بھوکا ہے۔ مومنوں کے لیے نہایت شفیق ورحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ **بعثت لاتمم حسن الاخلاق** میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

۲۔ **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں تو اسی لیے بھجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کا معاملہ درجۂ اتمام پر پہنچاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ابوذرؓ غفاری تک پہنچی تھی تو انھوں نے اپنے بھائی کو تحقیق احوال کے لیے مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا۔ بھائی نے مکہ مکرمہ سے مراجعت پر ابوذرؓ کو ان الفاظ میں اطلاع دی۔

رایتہ یامر بمکارم الاخلاق (بخاری کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء) میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے۔ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔

یہ بعثت کے بالکل ابتدائی دور کا واقعہ ہے۔ اس دور میں بھی جس کسی کی نظر آپ پر پڑی۔ آپ میں جو نمایاں ترین وصف نظر آیا اسے فضائل اخلاق ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت علیؓ کا بیان: امام حسینؓ نے حضرت علیؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندہ جبیں، نرم خو اور مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہ نکلا۔ عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی بات ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے۔ اپنے نفس سے آپ نے تین چیزیں بالکل دور کردی تھیں، (ا) بحث ومباحثہ (ب) ضرورت سے زیادہ بات کرنا (ج) جو بات مطلب کی نہ ہو، اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین ہی باتوں سے پرہیز کرتے تھے (ا) کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ (ب) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے (ج) کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا۔ آپ کلام کرتے تو صحابہ اس طرح سر جھکا کر اور خاموش ہو کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہو جاتے تو پھر (صحابہ) آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک ختم نہ کر لیتا آپ چپ سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے، آپ محض مسکرا دیتے۔ باہر کا کوئی آدمی (یعنی اجنبی) بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے تاہم اگر کوئی آپ کے احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرما لیتے۔ جب تک بولنے والا چپ نہیں ہو جاتا تھا، آپ اس کی بات نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی آپ کو دفعتہً دیکھ لیتا تو مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا محبت کرنے لگتا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول حصہ دوم ص ۲۸۸۔۲۸۹ بحوالہ شمائل ترمذی) اور کہا کرتا کہ میں نے آپ ﷺ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے یا بعد نہیں دیکھا۔

یہ محض عہد نبوت کے تیئیس سال ہی نہیں بلکہ چند سال پیشتر کے عینی مشاہدات کا بھی جامع مرقع ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان: حضرت عائشہؓ نے ہجرت سے قبل رسول اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے بعض اہم واقعات بھی دیکھے تھے اور مدنی زندگی میں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات بن گئی تھیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری ہفتہ حضرت ممدوحہ ہی کے حجرے میں گزرا۔ حضرت ممدوحہؓ نے سہارا دے رکھا تھا، جب روح پاک اس دنیا کو چھوڑ کر عالم قدس میں پہنچی۔

حضرت عائشہؓ ہی کے حجرے کو اللہ تعالیٰ نے جسد اطہر کی آخری آرام گاہ بنایا۔ مشاہدے کے جیسے مختلف مواقع حضرت ممدوحہؓ کو میسر آئے، وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ کے بعض ارشادات ملاحظہ ہوں:

(۱) جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے وہ لے لیتے جو آسان اور سہل ہوتی، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔ اگر گناہ ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دوری اختیار کرتے۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی کو سزا نہ دی اور کبھی بدلہ نہ لیا۔ ہاں اللہ کے حکموں کی حرمت زائل کرنے والوں کو آپ اللہ کے لیے سزا دیتے تھے۔ (ایضا ایضا)

(۳) عادت شریف یہ تھی کہ برائی کے بدلے میں برائی سے کبھی کام نہ لیا۔ ہمیشہ درگزر کرتے اور معاف فرما دیتے۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول حصہ دوم ص ۲۸۷)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کبھی نہ ہنسے کہ آپ کا تالو نظر آیا ہو، صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔

(۵) ہر لحظہ دل پر خوف وخشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا۔ بادل دیکھتے یا آندھی آتی تو چہرۂ مبارک پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوجاتے۔ میں نے (حضرت عائشہؓ نے) کہا: یارسول اللہؐ! لوگ بادل دیکھتے ہیں تو اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی۔ آپ کے چہرے سے تکلیف نمایاں ہوتی ہے۔ فرمایا: عائشہؓ! کون سی بات مجھے بے خوف کر سکتی ہے کہ اس میں عذاب نہ ہوگا؟ ایک قوم کو آندھی سے عذاب دیا گیا۔ ایک قوم نے عذاب دیکھا تو کہا یہ بادل ہے۔ (صحیح بخاری)

(۶) آپ نے نام لے کر کبھی کسی پر لعنت نہ کی۔ نہ کبھی اپنے کسی خادم، کسی لونڈی، کسی غلام، کسی عورت اور کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے مارا (سیرۃ النبیؐ جلد اول حصہ دوم ص ۳۸۷ بحوالہ مسلم وابوداؤد)

(۷) آپ نے کبھی کسی کی درخواست رد نہ فرمائی، الا یہ کہ وہ ناجائز تھی۔

(۸) گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔ باتیں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔ (بخاری کتاب الادب)

(۹) ایک بدوی آیا اور بولا: آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔ فرمایا: اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا۔ اس میں میرا کیا اختیار؟ (بخاری، کتاب الادب)

(۱۰) اسودؓ نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ فرمایا: گھر والوں کی خدمت میں رہتے تھے یعنی ان کے کام کیا کرتے تھے۔ نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے چلے جاتے۔ (بخاری، کتاب الصلوۃ، باب اذا دعی الامام الی الصلوۃ)

(۱۱) اگر کسی کی کوئی حرکت پسند نہ ہوتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، اصل فعل کو منع فرما دیتے۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے ایک دن میں دو نوالے نہیں کھائے، مگر ان میں سے ایک کھجور کا تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انسؓ بن مالک کا یہ بیان بھی شامل کر لیجیے کہ میں نے دس سال آپ کی خدمت میں گزارے۔ اس پوری مدت میں آپ میرے متعلق ناپسندیدگی کا کوئی کلمہ زبان پر نہ لائے۔ نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا؟ نہ کبھی یہ فرمایا: فلاں کام کیوں نہ کیا؟ (بخاری، کتاب الادب)

نبوت سے پیشتر کی زندگی: حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے بیانات کا تعلق زیادہ تر عہد نبوت سے ہے جس کی کل مدت تیئیس سال تھی۔ اس سے پیشتر آپ چالیس سال کی طویل مدت گزار چکے تھے۔ یہی زندگی ہے جسے قرآن مجید میں ایک مقام پر صداقت نبوت کی ایک قوی دلیل قرار دیا گیا ہے یعنی

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس:۱۶)

یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملے (یعنی نبوت) سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں۔

مشرکین عرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وفضیلت سے انکار نہ تھا، حتی کہ ابوجہل کو بھی اعتراف تھا کہ آپ سچے ہیں، مگر وہ کہتے تھے کہ آپ ایسی باتیں کہتے ہیں جنھیں ہم قبول نہیں کر سکتے۔ مولانا ابوالکلام مرحوم ومغفور فرماتے ہیں کہ آیت کے منقولہ ٹکڑے میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی گئی ہے۔ یعنی فرمایا:

ساری باتیں چھوڑ دو۔ اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں نیا آدمی نہیں، جس کے خصائل وحالات کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلان وحی سے پہلے ایک عمر تم میں بسر کر چکا ہوں یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ بتلاؤ اس میں کوئی ایک بھی بات تم نے سچائی اور دیانت کے خلاف دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ انسانی معاملے میں جھوٹ بولوں تو کیا اب ایسا ہو سکتا ہے کہ خدا پر بہتان باندھنے کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں، مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی چھوٹی سی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علماء اخلاق ونفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق وخصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ہے۔ جو سانچا اس عرصے میں بن گیا، پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس تک صادق وامین رہا تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب ومفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں، فاطر السموات والارض پر افترا

کرنے لگے؟

چنانچہ بعد میں فرمایا: دو باتوں سے تم انکار نہیں کرسکتے کہ جو شخص اللہ پر افترا کرے، اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے اور شریر و مفتری کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا... فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہوگیا۔ جو مکذب تھے، ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ جو صادق تھا، اس کا کلمۂ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔ (ترجمان القرآن جلد دوم ص ۱۵۱-۱۵۲)

دنیا جانتی ہے کہ جس دور میں سچائی اور دیانت وامانت کی روشنی گل ہو چکی تھی، اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرۃ طیبہ کی پاکیزگی اور طہارت سے ''الصادق اور الامین'' کے لقب حاصل کیے۔ جب حرم کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں حجر اسود کو اصل مقام پر نصب کرنے کے متعلق رؤساء قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی تو فیصلہ یہ ہوا تھا کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے، اسے ثالث بنالیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے آئے اور تمام لوگ پکار اٹھے۔ امین آگئے۔ امین آگئے۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق ایسی گواہی تھی، جس کی صداقت وحکمیت سے کسی کے لیے بھی اختلاف بجا نہ ہوگا۔

حضرت خدیجہؓ کی شہادت:

محض یہی نہیں۔ ایک نہایت زبردست شہادت حضرت خدیجہؓ کی ہے، جو بعثت تک پندرہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزار چکی تھیں۔ اس کے بعد دین حق کے دور غربت کی اذیتیں اور مصیبتیں بھی دس سال تک صابرانہ برداشت کرکے عالم بقا کو سدھاریں۔ یہ شہادت بھی بعد بعثت سے نہیں بلکہ بعثت سے پیشتر ہی کی زندگی سے متعلق ہے۔

سورہ علق کی آیتیں آپ پر نازل ہوچکیں تو اول نزول وحی کی شدت کا آپ پر بے حد اثر تھا اور یہ پہلی وحی تھی۔ معلوم ہے کہ اس کے بعد بھی جب وحی نازل ہوتی تھی تو چہرۂ مبارک پر پسینے کے قطرے نمودار ہوجاتے تھے۔ دوم جو گراں قدر کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمے لگادیا تھا، اس کی بے پناہ مشکلات کا آپ کو پورا اندازہ تھا۔ اس لیے آپ کوہ حرا سے اتر کر گھر تشریف لائے تو قلب مبارک پر لرزہ سا طاری تھا۔ جب طبیعت ذرا سکون پذیر ہوئی تو آپ نے پوری کیفیت غمخوار وغمگسار رفیقۂ حیات کو سنا کر فرمایا: **لقد خشیت علی نفسی** (مجھے اپنی جان کا خوف ہے) حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پاکیزہ اور سراپا خیر طریق حیات سے پوری طرح آگاہ تھیں۔ انھیں خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ خلق خدا کے ساتھ محبت وشفقت کے ایسے نادر پیکر کو قدرت کامیابی کی منزل پر نہ پہنچائے گی۔ چنانچہ آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

ہرگز نہیں خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی اندوہ گیں نہ کرے گا۔ آپ عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ ناتوانوں، بیکسوں، اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا، انھیں دیتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔ مصائب میں حق کے معاون ومددگار ہیں۔ (کیف کان بدء الوحی) صادق القول ہیں۔ (یہ ٹکڑا اسی حدیث کی اس روایت میں آیا ہے جو بخاری کی کتاب التعبیر میں آئی ہے۔)

یہ شہادت ان فضائل ومکارم کے متعلق ہے جو بعثت سے بیشتر وجود گرامی میں موجود تھے اور حضرت خدیجہؓ سے بڑھ کر ان کا اندازہ شناس کون ہوسکتا تھا؟

اہل ایمان کے اوصاف وخصائل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اخلاق کا اندازہ کرنے کے لیے ایک معیار یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہل ایمان کے جو اوصاف وخصائل قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، انھیں سامنے رکھ لیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس وجود مبارک کے ذریعے سے قرآن مجید کی تعلیم مخلوق تک پہنچائی۔ وہ بہرحال اس تعلیم کا ایک مقدس پیکر ہوگا۔ اسی وجود مبارک کو دیکھ کر صحابہ اپنے عمل درست کرتے تھے اور اسی وجود مبارک کے زیر سایہ ان کے تزکیے کا سلسلہ جاری تھا۔

قرآن مجید سے وہ تمام آیتیں چن کر جمع کردینا تو ممکن نہیں، لیکن ان میں سے چند ملاحظہ فرمالیجیے، جن میں مجلسی واجتماعی زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والے اوصاف کا ذکر ہے:

۱۔ مومن وہ ہیں جو اللہ سے ڈرتے اور باہمی معاملات درست رکھتے ہیں۔ اللہ کا ذکر چھڑے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اللہ کا کلام سنایا جائے تو ان کے ایمان زیادہ ہوجاتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسا رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، جو کچھ خدا نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہی حقیقی مومن ہیں۔ (انفال: ۱-۴)

۲۔ بلاشبہ ایمان والے کامیاب ہوئے (ان کی خصوصیتیں کیا ہیں) نمازیں خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔ نکمی اور لغو باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں۔ زکوۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں۔ عفت وعصمت کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے..... امانتوں اور وعدوں کا انھیں پاس رہتا ہے۔ نمازوں کی حفاظت میں بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ (مومنون: ۱-۱۰)

۳۔ اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں یعنی عجز وفروتنی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل یعنی کم عقل، اکھڑ اور بے ادب لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو ملایم بات سنا کر اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہوجاتے ہیں۔ رات کا وقت (یعنی سونے کا وقت کلب کی تفریحات میں نہیں) اپنے پروردگار کے لیے قیام وسجود میں گزارتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار، ہم سے دوزخ کا عذاب پھیر دے.... جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ موقع کی مناسبت کے پیش نظر تنگی کرتے ہیں۔ وہ

کسی کا بے گناہ خون نہیں بہاتے ،جس سے اللہ نے منع کر رکھا ہے اور بدکاری سے بھی دور رہتے ہیں...جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔کسی کی لغوبات سے گزر رہے ہوں تو سنجیدگی اور وقار سے گزر جاتے ہیں۔(فرقان:۶۳۔۷۴)

۴۔وہ (اہل ایمان) پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ، بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں جب غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اور خدا نے انھیں جو کچھ دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔ جب ان پر کوئی زیادتی ہو تو بدلا لیتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور نیکی کرے، اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ، جو کوئی مظلوم ہو کر بدلہ لے تو اس پر کوئی ملامت نہیں ۔ ملامت تو ان پر ہے جو لوگوں پر از خود ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو ظلم کو سہہ جائے اور معاف کردے تو یہ بڑی عالی ہمتی کے کاموں میں سے ہے۔(شوریٰ:۳۶۔۴۳)

اصل نیکی: اصل نیکی کیا ہے؟

۱۔اللہ پر ایمان

۲۔یوم آخرت اور فرشتوں پر ایمان۔

۳۔خدا کی اتاری ہوئی کتابوں اور خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان

۴۔خدا کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مانگنے والوں کو دینا۔

۵۔مال خرچ کر کے غلاموں کو آزادی دلانا۔

۶۔نماز اور زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے رہنا۔

۷۔عہد کر لینا تو اسے بہر حال پورا کرنا۔

۸۔تنگی، مصیبت یا خوف وہراس میں صابر و ثابت قدم رہنا۔(بقرہ:۱۷۷)

نیز فرمایا:

۱۔خوش حالی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں خدا کے لیے خرچ کرنا۔

۲۔غصے کو پی جانا اور لوگوں کے قصور معاف کر دینا۔

یہ دعوت حق کی محض چند جھلکیاں ہیں جنھیں عاملوں کی شکل میں بھی پیش کیا گیا اور محض نیکیوں کی شکل میں بھی۔کیا کسی کے لیے یہ تصور کر لینا مشکل ہے کہ جس داعی حق کو یہ پاک دعوت دے کر دنیا میں بھیجا گیا تھا، وہ خود اپنی مقدس تعلیم کا کتنا افضل واعلیٰ اور کس درجہ منور ومزکی نمونہ ہوگا؟ اسلام نے جو عبادتیں مقرر کی ہیں، ان کا مقصد ومدعا بھی اس کے سوا کیا ہے کہ لوگوں کے اعمال درست ہوں، ان کے کردار اصلاح پائیں۔ان کی سیرتیں آئینے کی طرح پاک وصاف ہو جائیں اور ان کے اخلاق زیادہ سے زیادہ سنور جائیں۔(مولف۔''رسول رحمت''۶۷۲۔۶۷۹)

☆☆☆

شرائط حصول تصدیق نامہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱)وہ طلباء جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرونی جامعات میں داخلے کے خواہش مند ہوں اور انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا توصیہ مطلوب ہو وہ درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، تعلیمی اسناد کی مصدقہ فوٹو کاپی دو اساتذہ کا تزکیہ اور صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا تزکیہ دفتر میں جمع کریں۔ مذکورہ معلومات وکاغذات کی روشنی میں غور کرنے کے بعد ہی توصیہ جاری کیا جائے گا۔

(۲)وہ ذمہ داران معاہد ومدارس وجامعات جنہیں حصول تعاون کے لیے مرکزی جمعیت کا توصیہ یا اس کی تجدید مطلوب ہو، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے بعد توصیہ حاصل کرسکتے ہیں:

(الف) ادارے کے لیٹر ہیڈ پر توصیہ کے لیے ذمہ دار ادارہ کی جانب سے اصل درخواست بنام امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔

(ب) متعلقہ صوبائی جمعیت کے امیر/ ناظم کا، امیر/ ناظم عمومی مرکزی جمعیت کے نام سفارشی خط یا نئی تصدیق جس میں معیار تعلیم، تعداد طلبہ واساتذہ مذکور ہو۔

(ج) جمعیت کے شعبۂ احصائیات برائے مدارس میں اندراج۔

(د) جمعیت کے آرگن پندرہ روزہ'' جریدہ ترجمان'' (اُردو) ، ماہنامہ ''اصلاح سماج'' (ہندی)، نیز ماہنامہ ''دی سمپل ٹروتھ'' (انگریزی) کا ادارہ کے نام اجراء اور قدیم خریدار ہونے کی صورت میں اس کے بقایاجات کی ادائیگی۔

(۳) علاوہ ازیں مرکزی جمعیت کی جانب سے سفارشی خطوط حاصل کرنے کے لیے ذمہ داران صوبائی وضلعی جمعیات ومعروف علماء کرام کی نئی تصدیقات کا پیش کیا جانا لازمی ہے۔درخواست دہندہ اپنے دستخط کے ساتھ نام اور عہدہ صاف صاف لکھیں۔کسی بھی قدیم تصدیق کی تجدید یا اس میں حذف واضافہ کے لیے صوبائی جمعیت سے حاصل شدہ نئی اصل تصدیق کا پیش کیا جانا ضروری ہے بصورت دیگر کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔

نوٹ: جو حضرات مرکزی جمعیت کی تصدیق کے خواہاں ہوں وہ کسی بھی قسم کی زحمت سے بچنے کے لئے رمضان سے قبل تصدیق حاصل کرلیں اور بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رجسٹری ڈاک خرچ نقد نیز جریدہ ترجمان، اصلاح سماج ودی سمپل ٹروتھ کے بقایاجات کی رسید کی فوٹو کاپی ارسال کرنا نہ بھولیں۔

دفتر نظامت عامہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

مولانا ابوالکلام آزاد حیات وخدمات

از نعمت اللہ عقیل مدھوبنی بہار

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ایک عالم دین مفسر، ادیب، مصلح، خطیب جیسی خوبیوں کے مالک تھے۔آپ کی شخصیت خود میں ایک انجمن تھی۔آپ کو نہ صلہ کی خواہش تھی اور نہ ستائش کی تمنا انہوں نے ایک طرف محررانہ انداز میں لوگوں کو انگریزی سامراج کے خلاف بیدار کیا تو وہیں دوسری طرف مقررانہ انداز میں بھی لوگوں کو بیدار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔مولانا کے دل میں مسلمانوں کے لیے ایک تڑپ، محبت اور یہ چاہت تھی کہ مسلمان اسلام پر قائم و دائم رہ کر ہندوستان کی آزادی میں بھر پور حصہ لیں اور غلامی کی زنجیروں کو پیروں تلے روندنے کی کوشش کریں۔آپ نے سیاست میں بھی قدم رکھا اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بنے۔مولانا آزاد اپنی عمر کے آخری وقت تک مسلمانوں کو بیدار اور متحد کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ 1888ء محلّہ قدوہ متصل باب السلام مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، (1) آپ کے والد نے آپ کا نام احمد رکھا، جبکہ تاریخی نام فیروز بخت، لقب ابوالکلام اور تخلص آزاد تھا۔(2) حالانکہ مولانا آزاد کی تحریروں میں آپ کے مختلف ناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔خلیق انجم لکھتے ہیں کہ:

’’آپ کے والد مولانا خیر الدین نے مولانا آزاد کا تاریخی نام فیروز بخت رکھا تھا۔مولانا نے یہ نام غالباً کبھی استعمال نہیں کیا۔وہ مختلف اوقات میں اپنا نام مختلف انداز میں لکھتے رہے ہیں۔اس کی تفصیل ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے اپنی کتاب میں دی ہے۔مثلاً مولانا 1900ء میں اپنے دوست عبدالرزاق کانپوری کو خط لکھا اور اس میں اپنا نام ’غلام محی الدین آزاد‘ لکھا۔اسی طرح جنوری 1900ء کے ’خدنگ نظر‘ لکھنؤ میں بھی ان کا یہی نام مذکور ہے۔دو سال بعد ’مخزن‘ میں مولانا کا نام ’ابوالکلام محی الدین احمد آزاد‘ طبع ہوا۔نومبر 1930ء میں مولانا نے ماہنامہ ’لسان الصدق‘ جاری کیا تو اس پر ایڈیٹر کی حیثیت سے آپ کا نام ’ابوالکلام آزاد دہلوی‘ تھا۔13 جولائی 1912ء کو ہفت روزہ ’الہلال‘ جاری ہوا تو اس پر مدیر مسئول و محرر خصوصی کے طور پر مولانا کا نام ’احمد المکنی بابی الکلام آزاد الدہلوی‘ تھا۔پانچ چھ سال بعد ’تذکرہ‘ نامی تصنیف میں آپ کا نام ’احمد‘ ملتا ہے۔مولانا کی ایک تصنیف ’رسالہ مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب‘ مطبوعہ البلاغ پریس کلکتہ میں آپ کا نام ’ابوالکلام‘ دیا گیا۔نقش آزاد میں شامل خط 117 میں مولانا لکھتے ہیں نام ابوالکلام آزاد۔۔۔۔احمد سے لوگ آشنا نہیں، گو نام وہی ہے‘ 1930ء میں جب مولانا کی ’ترجمان القرآن‘ کی پہلی جلد شائع ہوئی تو اس پر مولانا کا نام ’ابوالکلام احمد‘ چھپا۔‘‘(3)

خلاصہ یہ کہ مولانا ابوالکام آزاد مختلف رسالوں اور کتابوں میں مختلف نام لکھنا پسند کرتے تھے۔اور مولانا آزاد آگے چل کر ’امام الہند‘(4) کے لقب سے سرفراز کیے گئے، اور آپ کی ایک شان لوگوں میں معروف ہوگئی، آج کے دور میں آپ مولانا آزاد کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔مولانا ابوالکلام آزاد کے والد محترم مولانا خیر الدین بہت بڑے عالم اور بڑے پایہ کے صوفی تھے، اور آپ کے مریدین ہندوستان کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے تھے۔والدہ مشہور محدث طاہر وتری کی بھانجی تھیں، سلسلہ نسب جمال الدین افغانی سے ملتا ہے، اور یہ خاندان اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا۔(5) مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی عمر 7 یا 8 برس کی تھی کہ 1995ء میں خاندان کے ہمراہ ہندوستان آئے (6) اس حیثیت سے مولد مکہ مکرمہ اور متوطن ہندوستان ہے۔یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ اکثر اپنے آپ کو دہلی کی طرف منسوب کرتے رہے، آپ کی وفات 22 فروری 1958ء (7) کو دہلی میں ہوئی اور جامع مسجد کے سامنے آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم مکہ مکرمہ میں حرم کے اندر بسم اللہ سے ہوئی اور گھر پر ہی تعلیم کا سلسلہ چلتا رہا۔چنانچہ اپنی خالہ سے ناظرہ قرآن مجید اور کئی سورتیں حفظ کر لیں۔گاہے بگاہے حرم کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

کلکتہ آنے کے بعد اپنے والد محترم مولانا خیر الدین سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا چونکہ والد محترم مغربی تعلیم کو پسند نہیں کرتے تھے۔اس لیے انہوں نے مولانا کو اسکول میں نہ ڈال کر گھر میں ہی تعلیم دلواتے رہے۔

عملی کارنامے: مولانا ابوالکلام آزاد کو ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی چنانچہ، آپ نے مطالعے کے ساتھ ساتھ صحافت میں قدم رکھا اور ’لسان الصدق‘ ماہنامہ اور اس کے علاوہ کئی رسالے جاری کیے جس سے آپ کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔پروفیسر وہاب قیصر رقمطراز ہیں کہ:

’’مولانا آزاد کی شخصیت کا تابناک پہلوان کی صحافت نگاری ہے۔اس، میں یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ ان کی صحافت نگاری خود ان کی ایجاد کردہ تھی جوان ہی کے ساتھ ختم ہوگئی۔چنانچہ گلدستہ ’نیرنگ عالم‘ کے بعد انہوں نے ’المصباح‘ کے نام سے جنوری 1901ء میں ایک ہفتہ وار جاری کیا۔یہ اخبار بھی زیادہ دنوں تک نکل نہ سکا۔ایک ماہنامہ ’خدنگ نظر‘ لکھنؤ سے نوبت رائے نظر کی ادارت میں 1897ء سے نکلا کرتا تھا۔ابتدا میں یہ شعری گلدستہ تھا جس میں مختصر سا نثری حصہ بھی شامل رہتا۔مولانا

آزاد اس گلدستہ میں نہ صرف دلچسپی لیتے تھے بلکہ ان کے علاوہ ان کے بڑے بھائی ابو النصراہ اوران کی دونوں بہنیں فاطمہ بیگم آرزو اور حنیفہ بیگم آبرو کے کلام اس میں شائع ہوا کرتے تھے۔ 1902ء میں جب اس گلدستہ میں نثری حصہ بڑھایا گیا تو اس میں مولانا آزاد اوران کے بڑے بھائی کے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہونے لگے۔ 1903ء میں مولانا آزاد بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر اس کی مجلس ادارت میں شامل ہوئے اور نثری حصہ کی ایڈیٹنگ کے فرائض انجام دینے لگے، سوا سال بعد'خدنگ نظر' سے ان کا تعلق بالکل ہی ختم ہوگیا۔اسی عرصہ میں انہوں نے شاہ جہاں پور کے اخبار'ایڈورڈ گزٹ' کی ادارت قبول کی اور بہت جلد اس سے وہ علیحدہ بھی ہوگئے۔ان اخبارات کے تجربات نے ان کی مدیرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی اورانہوں نے پندرہ سال کی عمر میں نومبر 1903ء میں کلکتہ سے ماہنامہ'لسان الصدق' جاری کیا اورلسان الصدق کے جاری ہوتے ہی بقول مالک رام دھوم مچ گئی۔''(8)

مولانا آزادرحمہ اللہ کواور بھی کئی اخبارات ورسائل کے معاون مدیراور مدیراعلی بننے کا شرف حاصل رہا جس میں احسن الاخبار،تحفہ احمدیہ،الندوہ، وکیل، دارالسلطنت، اقدام، پیغام اورالجامعہ قابل ذکر ہیں۔مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر ادارت ایک ہفتہ وار''الہلال'' 13 جولائی 191ء میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ 18 جنوری 1914ء کی اشاعت کے بعد یہ سلسلہ انگریزوں کے لگائے گئے دوہزارروپے کی ضمانت کی بنا پر بند کرنا پڑا۔اسی طرح ہفتہ وار''البلاغ'' 12 نومبر 1915ء کو مولانا آزاد کے زیرادارت جاری ہوااوران کوصوبہ بدر کئے جانے پراپریل 1916ء کواس کومسدود کرنا پڑا۔الہلال کا دوسرا دوراس وقت شروع ہوا جب ہندوستان میں آزادی کی روح پھونک دی گئی تھی۔ 15 جنوری 1927ء کو مولانا کے زیر قیادت نکلااوراس کا آخری شمارہ 9دسمبر 1927ء کو جاری ہوا۔اس پورے عرصے کواگر بغور دیکھا جائے تو مولانا آزاد جس مقصد کے لیےان رسائل وجرائد کو جاری کیے تھے،اس میں آپ کامیاب نظرآتے ہیں۔الہلال کا مقصد مسلمانوں کواسلام سے جوڑنے اور آزادی کی روح پھونکنےاور ہندومسلم اتحاد تھا''۔(9)

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف کردہ اہم کتابوں میں'غبارخاطر،تذکرہ،آزاد کی کہانی خودان کی زبانی اورترجمان القرآن قابل ذکر ہیں، اس کے علاوہ اور بھی کئی تصانیف موجود ہیں اورکتابچہ ورسالوں کی تعداد کافی ہے۔

سیاسی خدمات: مولانا ابوالکلام آزادرحمہ اللہ نے تصنیفات وتالیفات کے ساتھ ساتھ سیاست میں قدم رکھا،اوراس میں آخری دم تک کام کرتے رہے۔مولانا کا سیاسی دور،1920ء میں خلافت تحریک سے شروع ہوتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ آپ اس وفد میں شریک نہیں ہوئے لیکن تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔مگر جب مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک چلائی تو آپ نے نہ صرف اس تحریک میں حصہ لیا بلکہ مہاتما گاندھی کی تائید بھی کی۔ویسے آپ کا اصل سیاست کا دور 1923ء ہی سے شروع ہوتا ہے جب آپ نے پہلی مرتبہ دہلی میں کانگریس کے 'اجلاس خاص' میں صدارت کا فریضہ انجام دیا اوراس کے بعد کانگریس پارٹی سے جڑے رہے۔بعدہ 1940ء میں کانگریس کے صدرمنتخب ہوئے اور مسلسل 1946ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔1955ء میں دوبارہ کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر بنے اور 15 اگست 1947ء کو ہندوستان کے پہلے وزیرتعلیم بننے کا شرف حاصل ہوا۔اس عہدے پر گیارہ برس تک لگاتار خدمت انجام دیتے رہے 1952ء میں پہلے عام انتخابات میں منتخب ہوئے اورتعلیمی،قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیقات کی وزارت سنبھالی''(10)

مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں،اوراسی طریقے سے متعدد سیمینار ہوتے رہے ہیں۔

12 سال کی عمر سے مولانا کی خدمات شروع ہوئیں اورآخری عمر میں بھی وزیر تعلیم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور بالآخر وہ دن بھی آ گیا جب دہلی میں آپ پر بیہوشی طاری ہوئی اوراس دنیا کو داغ مفارقت دے گئے،عبدالرزاق ملیح آبادی رقمطراز ہیں کہ:

''فروری 1958ء کی صبح غسل خانے تشریف لے گئے۔ناگاہ فالج کا حملہ ہوا اور وہیں گر گئے۔رات کوان کے سیکرٹری نے فون پر اطلاع دی اور یہ بھی کہا کہ بے ہوش ہیں۔فوراً کوٹھی پہنچا۔ہر چند اصرار کیا گیا کہ کہ چل کر دیکھ لوں،مگر میں مولانا کو اس حال میں دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔۔''(11)

حوالہ جات: (1) کاشمیری،شورش،ابوالکلام آزاد(سوانح وافکار)،ایم آر،پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2013ء،ص: 18 (2) کاشمیری، شورش،ابوالکلام آزاد(سوانح و افکار)،ایم آر، پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2013ء،ص: 18 (3) انجم،خلیق،مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے،اردو اکادمی دہلی،1986ء،ص:22۔23 (4) ملیح آبادی،عبدالرزاق،ذکرآزاد، فرید بکڈ پو لمٹیڈ،نئی دہلی،2013ء،ص:25 (5) ملیح آبادی،عبدالرزاق،ذکرآزاد،فرید بکڈ پو لمٹیڈ، نئی دہلی، 2013ء،ص:273-274 (6) ملیح آبادی۔بروایت، آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2008ء،ص:67 (7) نظامی،ڈاکٹرظفراحمد،مولانا آزاد کی کہانی، مکتبہ پیام تعلیم،نئی دہلی،ص:9 (8) قیصر،ڈاکٹر وہاب،مولانا آزادفکر وعمل کے چندزاویے،خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار، 2009ء،ص: 11 (9) قیصر،ڈاکٹر وہاب، مولانا آزادفکر وعمل کے چندزاویے، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار، 2009ء،ص: 11۔12 (10) اڈوکیٹ،اعجازعلی قرشی،مولانا آزادایک عظیم شخصیت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی،2015ء،ص:94۔95 (11) ملیح آبادی، عبدالرزاق، ذکرآزاد،فرید بکڈ پولمٹیڈ،نئی دہلی،2013ء،ص:213

گاؤں محلہ میں صباحی ومسائی مکاتب قائم کیجیے
اور مکاتب میں تجوید وتعلیم قرآن کریم کا اہتمام کیجئے!

حضرات! قرآن کریم بنونوع انسان وجنان کے نام اللہ رب العالمین کا آخری پیغام ہے۔ جو نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، جو ہدایت کا سرچشمہ، عبرت وموعظت کا ذریعہ اور دین وشریعت اور توحید ورسالت کا اولین مرجع ومصدر ہے، جس کا حرف حرف علم وعرفان اور حکمت وموعظمت کے موتیوں سے لبریز ہے، جس کی تعلیم وتعلم اور تلاوت باعث ثواب اور جس پر عمل فوز وفلاح اور سعادت دارین کا سبب اور ضمانت ہے اور قوموں کی عزت وذلت اور عروج وزوال اسی سے مربوط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اول یوم سے اس کی تلاوت وقرأت اور اس پر عمل کا خصوصی اہتمام کیا، حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کے مکاتب ومدارس قائم کئے اور سوسائٹی میں اس کی تعلیم واتباع کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا۔ نتیجتاً وہ اس اہتمام بالقرآن کی برکت سے ہر میدان میں اوج کمال تک پہنچے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ روشن روایت دن بدن کمزور پڑتی گئی۔ خود برصغیر میں تعلیم وتفسیر قرآن کریم تو کجا تجوید وقرأت کا عرصہ تک کما حقہ اور مضبوط انتظام نہ ہوسکا اور نہ اس پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی۔ حالانکہ تعلیم وتعلم قرآن میں علم تاویل وتفسیر اور غور وفکر کے ساتھ ساتھ تجوید بھی مقصود تھا اور ہمارے نبی کریم محمد ﷺ نے اس کی بڑی تاکید بھی فرمائی تھی۔

مقام شکر ہے کہ چند دہائی قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سمیت مختلف جہات سے تعلیمی بیداری مہم کے نتیجے میں مدارس وجامعات اور مکاتب ومساجد میں تجوید قرآن کریم کا مبارک سلسلہ شروع ہوا تھا جس کے ملکی سطح پر بہترین ثمرات سامنے آئے۔ پورے ملک میں مکاتب بڑے پیمانے پر قائم ہوئے اور بہت سی بستیوں میں مکتب کی تعلیم کے زیر اثر بچوں کی ذہنی طور پر نشو ونما ہونے لگی۔ لیکن روز بروز بدلتے حالات کے پیش نظر عصری تعلیم گاہوں اور کنونٹس اور گاؤں میں مدارس کی وجہ سے مکاتب بہت متاثر ہوئے۔ لہٰذا مکاتب کو بڑے اور عمدہ پیمانے پر پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل کو دین کی بنیادی باتوں اور قرآن کریم سے روشناس کرایا جاسکے۔

لہٰذا آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اس حوالے سے خصوصی توجہ مبذول کریں اور اپنے گاؤں اور محلوں میں صباحی ومسائی مکاتب کے قیام کو یقینی بنائیں، اگر قائم ہیں تو ان کی سرگرمی وفعالیت میں بہتری لائیں، قدیم نظام کا احیاء کریں، ان میں تجوید وتعلیم قرآن کا خصوصی اہتمام کریں تاکہ جماعت وملت کے نونہالوں کو دین واخلاق سے آراستہ کرسکیں اور انھیں دین وعقیدہ پر قائم رکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک ہوکر دین حنیف، جماعت وجمعیت اور ملک وملت کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کی توفیق بخشے، ہر طرح کے فتنے اور آزمائش سے محفوظ رکھے اور عالمی مہلک وبا کورونا وغیرہ سے سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اپیل کنندگان

اصغر علی امام مہدی سلفی

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ودیگر ذمہ داران

Tarjuman

اہل حدیث منزل کی تعمیر وتکمیل کے لیے

محترم و غیور ائمہ، خطباء، متولیان مساجد اور ذمہ داران جمعیات سے پُر زور اپیل اور التماس

اہل حدیث منزل میں چوتھی منزل کی چھت کی ڈھلائی کا کام ہوا چاہتا ہے اور دیگر تینوں منزلوں کی صفائی کی تکمیل کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ آنے والے جمعہ میں باضابطہ طور پر اپنی مسجدوں میں اس کے تعاون کے لیے پرزور اعلان فرمائیں اور مندرجہ ذیل کھاتے میں رقم ارسال فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام بنائیں اور اس صدقہ جاریہ میں شریک ہوں۔

تعاون کے طریقے : (۱) سیمنٹ، سریا، روڑی، بدر پور، ریت (۲) نقد رقم (۳) کاریگروں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی (۴) کھڑکی، دروازہ، پینٹ، رنگ وروغن کا سامان یا قیمت مہیا کرا کے تعاون فرمائیں اور مال واولاد اور اعمال صالحہ میں برکت پائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292